بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ماہنامہ اردو

(قادیان)

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

مرتبہ

عبد القدیر نیاز

بابت ماہ صفر ۱۳۶۴ھ ٭ مطابق ماہ فروری ۱۹۴۵ء

ماہِ تبلیغ ۱۳۲۴ ہش

جلد ۴۴ عدد ۲

Digitized by Khilafat Library Rabwah

مقاصد و قواعد رسالہ

رسالہ ریویو آف ریلیجنز (اُردو) سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سنہ ۱۹۰۲ء میں حسب ذیل مقاصد کے پیش نظر جاری فرمایا تھا۔

غیر مذاہب کے مقابلہ میں اسلام کی فوقیت ظاہر کرنا۔

مخالفینِ اسلام کے حملوں کا جواب دینا۔

صحیح اسلامی عقائد کی اشاعت و تعلیم دینا۔

یہ رسالہ ہر انگریزی ماہ کی یکم تاریخ کو قادیان دارالامان سے شائع ہوتا ہے۔ اگر پندرہ تاریخ تک کسی خریدار کو رسالہ نہ ملے تو بروقت شکایت موصول ہونے پر رسالہ دوبارہ ارسال کیا جائے گا۔

رسالہ کی سالانہ قیمت اندرونِ ہند تین روپے اور بیرونِ ہند چار روپے ہے۔ طلباء اور غیر احمدی اصحاب سے رعایتی قیمت اڑھائی روپیہ لی جاتی ہے۔

خریداران کو دفتر سے خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیئے ورنہ عدمِ تعمیل یا تعمیل میں تاخیر کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

ترسیلِ زر اور تمام دفتری اُمور کے متعلق خط و کتابت بنام مینیجر ہونی چاہیئے۔

یہ رسالہ جماعت احمدیہ کا ایک ہی قومی اُردو ماہنامہ ہے۔ بوجہ علمی مجلہ ہونے کے اِس کے فائل محفوظ رکھے جاتے ہیں۔ اور ایک وسیع علمی طبقہ کی نظر سے گذرتا ہے اِس لئے اِس میں اشتہار دینا مفید ہے۔ نرخنامہ اشتہارات حسب ذیل ہے:۔

تعداد	ایک ماہ	تین ماہ	چھ ماہ	ایک سال
ایک صفحہ	تیس روپے	اٹھتّر روپے	ایکسو چوالیس روپے	دوسو ستر روپے
نصف صفحہ	اٹھارہ روپے	اڑتالیس روپے	چوراسی روپے	ایکسو پچاس روپے
رُبع صفحہ	بارہ روپے	تیس روپے	چوّن روپے	نوّے روپے

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ

ماہنامہ

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دُنیا کے مذاہب پر نظر اور اہلِ مذاہب کا تشحیذ الاذہان

جلد ۴۴ | ماہِ صفر ۱۳۶۴ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۴۵ء | عدد ۱

فہرستِ مضامین

ثبوتِ ہستی باری تعالےٰ یا دیدارِ الٰہی۔ — صہ ۲ — از حضرت صاحبزادہ پیر منظور محمد صاحب موجد قاعدہ یسرنا القرآن

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ثبوتِ ہستیٔ باری تعالےٰ

(یا)

دیدارِ الٰہی

(از حضرت صاحبزادہ پیر منظور محمد صاحب مُوجدِ قاعدہ یسّرنا القرآن)

(۱)[1] اِس مضمون میں عقلی طور پر اُس ہستی کو ثابت کیا گیا ہے جسے مذہب اسلام نے پیش کیا ہے اور جس کا نام اُس نے اللہ بتایا ہے۔ اور جسے فارسی اور اُردو میں خدا کہتے ہیں۔ چونکہ بے فائدہ کام کرنا عقل کے خلاف ہے، اس لئے مَیں پہلے اِس بات کی وجہ بتاتا ہوں کہ خدا تعالےٰ کی یعنی اُس ہستی کی جو مذہب اسلام نے پیش کی ہے انسان کو کیوں ضرورت ہے۔ اِس کے لئے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ انسان کیا چیز ہے۔

(۲) سو واضح ہو کہ اِس دُنیا میں آکر اور ہوش سنبھالنے کے بعد انسان کی پُوری توجہ دو باتوں کی طرف مبذول ہو جاتی ہے اور تمام عمر اور آخر دم تک یہی دو باتیں اُس کے مدّنظر رہتی ہیں۔ اِن دونوں میں سے ایک تو جسمانی دُکھ ہے۔ دوم جسمانی لذت ہے۔ جسمانی دُکھ انسان کو سخت ناپسند ہے اسلئے ہر وقت اس سے بچنے اور محفوظ رہنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ اور جسمانی لذّت انسان کو نہایت شدید طور پر پسند ہے اس لئے ہر وقت اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ اور یہ چیز اُسے اِس قدر محبوب ہے کہ اس کے حاصل کرنے کے لئے اگر کسی قدر قابلِ برداشت جسمانی دُکھ بھی برداشت کرنا پڑے تو برداشت کر لیتا ہے۔ اِن دو باتوں کے سوا انسان کا اور کوئی مقصود اور مدعا نہیں۔ ہر انسان کی اصلی اور انتہائی خواہش یہی ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ بچہ ہو یا بوڑھا۔ نیک ہو یا بد۔ جاہل ہو یا عالم۔ ولی ہو یا نبی۔ اِن دو باتوں کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ سب اِنہی دو باتوں کے حاصل کرنے کے اسباب اور ذرائع اور وسائط ہیں۔ روپیہ۔ طاقت۔ عزت۔ شہرت وغیرہ فی نفسہٖ مطلوب اور مقصود بالذات نہیں بلکہ یہ اس لئے مطلوب ہیں کہ یہ جسمانی دُکھ سے بچنے اور جسمانی لذات کے حاصل کرانے کا ذریعہ ہیں۔

[1] یہ نمبر پیراگرافوں کے ہیں۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

(۳) لیکن انسان کی فطرت صرف چند روز کے لئے جسمانی دُکھ سے نجات اور صرف چند روز کے لئے جسمانی لذات نہیں چاہتی بلکہ دائمی طور پر چاہتی ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس سے انسان کو حقیقی خوشی حاصل ہوتی ہے۔ ذیل کی حکایت مُلکِ مصر کی درسیہ کتابوں میں اسی لئے درج کی گئی ہے تاکہ بچوں کو بتایا جائے کہ انسان دائمی خوشی چاہتا ہے ختم ہوجانے والی خوشی نہیں چاہتا۔ وہ حکایت یہ ہے:۔ (ترجمہ از عربی) کہتے ہیں کہ سکندر فتوحات کرتے کرتے ایک ایسے مُلک میں پہنچا جس کا بادشاہ اُس کے ساتھ لڑائی میں مارا گیا۔ سکندر نے لوگوں سے دریافت کیا کہ کیا اس کا کوئی وارث ہے۔ جواب دیا گیا کہ ایک لڑکا ہے لیکن وہ دیوانہ ہے۔ سکندر نے کہا اُسے لاؤ۔ چنانچہ وہ لایا گیا۔ سکندر نے اُسے کہا کہ کیا تُو چاہتا ہے کہ مَیں تجھے تیرے باپ کی جگہ تخت پر بٹھا دوں۔ اُس نے جواب دیا کہ میری یہ خواہش نہیں۔ سکندر نے پُوچھا کہ پھر تیری کیا خواہش ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ میری خواہش بہت بڑی ہے جسے تُو پُوری نہیں کر سکتا۔ سکندر نے کہا کہ وہ کیا ہے؟ اُس نے کہا کہ میری خواہش یہ ہے کہ مجھے ایسی جوانی ملے جس کے بعد بڑھاپا نہ ہو اور اتنی دولت ملے جس کے بعد فقر نہ ہو۔ اور ایسی خوشی ملے جس کے بعد کوئی غم نہ ہو۔ اور ایسی زندگی ملے جس کے بعد مَوت نہ ہو۔ کیا تُو مجھے یہ چیزیں دے سکتا ہے؟ سکندر نے کہا یہ تو میرے پاس نہیں۔ اُس نے کہا دَعْنِيْ اَطْلُبُهٗ مِمَّنْ هُوَ عِنْدَهٗ۔ یعنی پھر مجھے جانے دے تاکہ مَیں یہ چیزیں اُسی سے طلب کروں جس کے پاس یہ چیزیں ہیں (یعنی خدا تعالیٰ)۔ غرض انسان کی فطرت کا اصل مدعا دائمی اور بلاکدورت خوشی کا حاصل کرنا ہے۔ اب یہ حاصل ہو تو کس طرح؟ سو واضح ہو کہ اس کی طرف مذہب اسلام کے سوا اور کسی نے رہبری نہیں کی۔ نہ فلسفیوں نے۔ نہ دہریوں نے۔ نہ منطقیوں نے۔ نہ سوفسطائیوں نے۔ نہ سائنس دانوں نے۔ اِن لوگوں کا یہ کہنا کہ انسان کی زندگی محدود ہے اور مرنے کے بعد معدوم ہو جاتا ہے صرف ستر بی بی از بے چادری ہے۔ لومڑی بہت اُچھلی کُودی مگر کچھ ہاتھ نہ آیا تو چلتے ہوئے کہہ دیا انگور کھٹے ہیں۔ اِن لوگوں نے اپنے طور پر بہت کوشش کی کہ دائمی زندگی کے ملنے کی کوئی صورت نکل آئے کیونکہ انسان کی فطرت میں جسمانی لذّت کی شدید خواہش ہے اور وہ دائمی طور پر اس سے خوشی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ مگر یہ لوگ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہوئے۔ اگر یہ لوگ اسلام کی طرف رجوع کرتے تو نہایت آسانی سے اپنے مدعا کو حاصل کر لیتے۔

(۴) غرض جسمانی لذّات کے دائمی طور پر ملتے رہنے کی خوشخبری صرف مذہب اسلام نے ہی انسان کو دی اور اس کی طرف پُوری رہبری کی اور اُس کے حاصل کرنے کا طریقہ بھی بتایا۔ دوسرے مذاہب نے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اس کی طرف بہت کم توجہ کی ہے۔ کسی نے حضرت عیسےٰؑ سے پوچھا کہ آخرت کے ہونے پر کیا دلیل ہے تو جواب میں کیا فرماتے ہیں کہ تم نے تورات میں پڑھا نہیں کہ ابراہیم کا خدا اسحاق کا خدا۔ مطلب یہ کہ ابراہیم اور اسحاق اب بھی موجود ہیں جبھی تو کہا گیا ابراہیم کا خدا اسحاق کا خدا۔ یہ ہے سابقہ مذاہب کی رہبری دائمی زندگی کی نسبت۔ آریہ مذہب میں تو یہ بات بالکل ہی مفقود ہے۔ چنانچہ آریہ مذہب کا مُکتی خانہ صرف چند کروڑ برس کا ہے۔ آخرکار وہاں سے نکالے جاتا ہے۔ پس جبکہ اُس مُکتی خانہ میں رہنے والوں کو وہاں سے نکلنے کا دھڑکا ہر وقت لگا رہے گا اور غم کا یہ کانٹا ہر وقت دل میں چُبھتا رہے گا اور جب میعاد کے ختم ہونے میں چند روز باقی رہ جائیں گے تو غم الم کا ایک پہاڑ سر پر ٹوٹ پڑے گا تو بھلا ایسی جگہ کا نام مکتی خانہ کیسے ہو سکتا ہے۔

(۵) اور عیسائی مذہب نے جو جنّت پیش کی ہے اُس کی نسبت وہ کہتے ہیں کہ وہ محض روحانی ہے جسمانی نہیں۔ حالانکہ یہ مسلّم ہے کہ روح بغیر جسم کے نہیں رہ سکتی۔ پس عیسائی مذہب سے بھی انسان کو خوشی حاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ خوشی جو ایک روحانی چیز ہے بغیر جسمانی لذّات کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ (اِس کا ثبوت اور روح کا بغیر جسم کے نہ رہ سکنے کا ثبوت میرے مضمون دیدارِ الٰہی ۲ میں ملاحظہ ہو جو اِس ۱ کے بعد زیرِ طبع ہے۔) لیکن مذہب اسلام نے جو جنّت پیش کی ہے اوّل تو وہ دائمی ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں ہے:۔ عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ اور وَمَا ھُمْ مِّنْھَا بِمُخْرَجِیْنَ۔ دوسرے یہ کہ اسلام کی پیش کردہ جنّت میں ہر ایک قسم کی جسمانی لذّات ہوں گی۔ اس کے متعلق قرآن شریف میں بکثرت ذکر ہے۔ جسمانی لذّات کے سرور کے علاوہ مذہبِ اسلام کی پیش کردہ جنّت میں روحانی خوشی بھی ہو گی۔ روحانی خوشی کا یہ مطلب ہے کہ جنّتی کو اِس بات کا یقین ہو گا کہ اُسے دائمی طور پر اور بلا کدورت طور پر جسمانی لذّات ملتی رہیں گی۔ اِس یقین کو روحانی خوشی اِسی لئے کہا گیا کہ یقین کا تعلق روح سے ہے جسم سے نہیں۔ غرض اسلام کی پیش کردہ جنّت میں انسان کو جسمانی اور روحانی دونوں قسم کی خوشی حاصل ہو گی اور یہ دونوں خوشیاں دائمی ہوں گی اور یہی انسان کی اصلی اور انتہائی مراد ہے۔

(۶) اِس مراد کو حاصل کرنے کے لئے مذہبِ اسلام نے دو باتیں بتائی ہیں۔ ان میں سے ایک تو ایک ہستی پر ایمان لانا ہے جس کا نام اس نے اللہ بتایا ہے جسے فارسی اور اُردو میں خدا کہتے ہیں اور جس کی صفات بھی اس نے بتائی ہیں اور جس کے ہونے کا ثبوت بھی اس نے کافی سے بڑھ کر دے دیا ہے۔ نیز بتایا ہے کہ انسان کے مندرجہ بالا مدعا کے حاصل کرنے کا اصل ذریعہ یہی ہستی ہے۔ اس کی معرفت حاصل کئے بغیر اور اس کے ساتھ تعلق کئے بغیر اور اس کو راضی کئے بغیر انسان کا مندرجہ بالا مدعا ہرگز

Digitized by Khilafat Library Rabwah

پُورا نہیں ہو سکتا۔

(۷) دوسری بات جو مذہب اسلام نے مندرجہ بالا مراد اور مدعا کو پُورا کرنے کے لئے بتائی ہے وہ مرنے کے بعد ایک اور جہان کے ہونے پر ایمان لانا ہے جو دائمی ہے۔ اُسی جہان میں وہ مقام ہے جہاں انسان کا مندرجۂ بالا مدعا پُورا ہوگا جس کا نام جنّت ہے۔ مذہب اسلام نے بتایا ہے کہ اِس دُنیا میں انسان کا مندرجہ بالا مدعا پُورا نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ دُنیا عالمِ آخرت کی جنّت کے حاصل کرنے کے لئے مدرسۃ العمل اور دارالامتحان ہے۔ مذہب اسلام نے یہ بھی بتایا ہے کہ اللہ تعالےٰ اِس دُنیا اور مافیہا اور عالمِ آخرت اور مافیہا دونوں کا خالق ہے۔ اور اِس دُنیا میں جو اُس نے لذّات پیدا کی ہیں وہ بطور نمونہ (بانگی) کے ہیں تاکہ عالمِ آخرت کی دائمی لذّات کے حاصل کرنے کی دل میں خواہش پیدا ہو۔ اور یہ ظاہر ہے کہ نمونہ یعنے بانگی سے پیٹ نہیں بھرا کرتا کیونکہ وہ بہت قلیل ہوتی ہے اور ختم ہو جاتی ہے۔ بعینہٖ یہی حال دُنیا کا ہے۔ پس دُنیا کی لذّات کو مقصود اور مطلوب بنانا نادانی ہے۔ غرض مذہب اسلام نے انسان کی حقیقی اور دائمی خوشی کے متعلق ایسی مکمّل اور صحیح راہ نمائی کی ہے کہ اس سے واقف ہونے کے بعد انسان مسلمان ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا کیونکہ اِس علم کے بعد اسے اپنا مدعا سوائے مذہب اسلام کے اور کہیں پُورا ہوتا نظر نہیں آتا۔

(۸) قبل ازیں کہ مَیں ہستی باری تعالےٰ کا ثبوت دوں اِس بات کا بتا دینا ضروری ہے کہ خدا کیا چیز ہے اور انسان کو اس کی کیوں ضرورت ہے۔ سو واضح ہو کہ انسان ایک کمزور اور محتاج اور محدود العلم اور محدود القدرت ہستی ہے۔ وہ بغیر دوسرے کی مدد اور حفاظت کے تنہا زندگی بسر نہیں کر سکتا اور اپنی کوشش اور تدبیر سے آپ اپنی حفاظت اور بہتری نہیں کر سکتا۔ اس لئے اُسے ایک حافظ و ناصر کی ضرورت ہے۔ لیکن حافظ و ناصر ایسا ہونا چاہیئے جو کامل علم والا اور کامل قدرت والا اور ہر ایک عیب اور نقص اور کمزوری سے پاک اور ہر ایک خوبی سے موصوف ہو تاکہ وہ انسان کو مکمّل طور پر ہر ایک قسم کے دُکھ سے نجات دے سکے اور دائمی طور پر ہر ایک قسم کی خوشی عطا فرما سکے۔ مذہب اسلام نے دعوےٰ کیا ہے کہ یہ تمام باتیں اُس ہستی میں موجود ہیں جو اُس نے پیش کی ہے۔

(۹) انسان کو خدا تعالےٰ کی ضرورت کی ایک وجہ تو یہ ہے جو اُوپر بیان کی گئی۔ دوسری وجہ خدا تعالےٰ کی ضرورت کی یہ ہے کہ انسان کی فطرت میں ہے کہ وہ دوسرے کی چیز کو بغیر اس کے مالک کی اجازت اور مرضی کے استعمال کرنا نہیں چاہتا۔ اگر کوئی اس کے خلاف کرے تو اُس کا نام چوری یا ڈاکہ ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ دُنیا میں جو چیز بھی ہے وہ انسان کی ملکیت نہیں بلکہ کسی اور کی ملکیت ہے۔ کیونکہ بہت کچھ تو

Digitized by Khilafat Library Rabwah

زمین پر انسان کی پیدائش سے پہلے ہی موجود ہے۔ مثلاً ہوا۔ روشنی۔ پانی۔ زمین۔ نباتات۔ جمادات حیوانات وغیرہ۔ اور جو نئی پیدائش انسان کے سامنے ہوتی ہے وہ بھی انسان کی اپنی پیدا کردہ نہیں بلکہ انسان کے سوا کوئی اور ہے جو انہیں پیدا کر رہا ہے۔ پس پرانی اور نئی کوئی چیز بھی انسان کی ملکیت نہیں بلکہ دُنیا اور دُنیا کی ہر ایک چیز کسی اور کی ملکیت ہے۔ یہاں تک کہ خود انسان کا جسم اور اس کے ظاہری اور باطنی تمام اعضاء اور قُویٰ بھی کسی اور کی ملکیت ہیں۔ کیونکہ ماں اپنے پیٹ کے بچے کو خود نہیں بناتی بلکہ کوئی اور بناتا ہے۔ اب نیکی اور تہذیب یہی ہے کہ انسان دُنیا کی چیزوں کے مالک کی اجازت کے بغیر کسی چیز کا استعمال نہ کرے۔ جو لوگ اس کے برخلاف کرتے ہیں وہ مہذب اور نیک نہیں کہلا سکتے۔ پس اُن کو چاہیئے کہ اِس دُنیا کے مالک پر ایمان لاکر اور اُس کے ساتھ تعلق پیدا کر کے اُس کی اجازت سے دُنیا کی چیزوں کا استعمال کریں تاکہ دوسرے کی یعنی بیگانی چیز کو بغیر اس کے مالک کی اجازت کے استعمال کرنے کے الزام سے بری ہو جائیں۔

(۱۰) اب یہاں سوال ہوتا ہے کہ کیا انسان اجازت حاصل کرنے تک بھوکا مر جائے۔ دوسرا سوال یہ ہوتا ہے کہ پہلے ہمیں اُس مالک کے ہونے کا ثبوت دیا جائے اور اس کے ساتھ تعلق کرنے کا طریق بتلایا جائے۔ سو واضح ہو کہ اِن دونوں سوالوں کا جواب یہ ہے کہ مذہب اسلام نے دُنیا کے مالک کو پیش کر دیا ہے اور اس کے ہونے کا ثبوت بھی کافی سے بڑھکر دے دیا ہے اور اُس کے ساتھ تعلق کرنے کا طریق بھی بتا دیا ہے اور اُس پر ایمان لانے کی وجہ بھی بتا دی ہے۔ اور یہ سب کچھ اِس مضمون میں درج ہے۔ اور ساتھ ہی مذہب اسلام نے یہ بھی کہدیا ہے کہ جو شخص سچے دل سے ہدایت پانے کی نیت سے مذہب اسلام کا مطالعہ کرے گا اور اس کی پیش کردہ کتابوں کو پڑھے گا اُسے دُنیا کی چیزوں کو بغیر اسراف کے استعمال کرنے کی اجازت ہے۔ اسراف کا مطلب یہ ہے کہ عیش و عشرت کی نیت سے دُنیا کی چیزوں کو استعمال نہ کرے بلکہ مذہب اسلام کا مطالعہ کرنے کے لئے جسمانی طاقت کو قائم رکھنے کی نیت سے بوقتِ ضرورت اور بقدرِ ضرورت استعمال کرے۔ دوسری ضرورت کا بیان ختم ہوا۔ اب ذیل میں خدا کی ضرورت کی تیسری وجہ لکھی جاتی ہے۔

(۱۱) وہ یہ ہے کہ انسان کی فطرت میں ہے کہ وہ اُس ہستی کو جو اُسے فائدہ پہنچائے دیکھنا چاہتا ہے کہ وہ کون ہے اور کیسی ہے۔ آیا مُحسن ہے یا غرضی۔ تاکہ اگر مُحسن ہو تو اُس سے محبت کرے کیونکہ محسن سے محبت کرنا انسان کی فطرت میں ودیعت ہے۔ اب واضح ہو کہ یہ بات واقعات میں سے ہے کہ پیدائش کے وقت سے ہی عالمِ غیب سے انسان پر احسان ہو رہا ہے اور جب تک انسان زندہ رہتا ہے یہ احسان

Digitized by Khilafat Library Rabwah

برابر قائم رہتا ہے۔ ہر آن ہر طرح کی اس کی پرورش ہو رہی ہے۔ طرح طرح کی نعمتیں اس کو مل رہی ہیں۔ ہوا۔ پانی۔ غذا۔ روشنی۔ لباس کا سامان سب کچھ پہلے سے موجود ہے۔ طرح طرح کا غلہ اور ترکاریاں زمین سے اُگ رہی ہیں۔ طرح طرح کے پھل درختوں کو لگ رہے ہیں۔ ٹہنیاں ہاتھ بڑھا کر انسان کو کہہ رہی ہیں کہ لو یہ لو۔ انسان کا کام صرف یہ ہے کہ ہاتھ بڑھائے۔ توڑے۔ مُنہ میں ڈال لے۔ بچے کے لئے ماں کی چھاتیوں میں دُودھ اُتر آتا ہے۔ بچے کا کام صرف یہ ہے کہ چُوسے۔ پس جبکہ ہر شخص دُنیا میں عالمِ غیب سے اپنی ربُوبیت ہوتے اور اپنے اوپر احسان ہوتے دیکھ رہا ہے۔ اور بغیر مانگے اُسے سب کچھ مل رہا ہے تو اُسے چاہیئے کہ اُسے چین نہ آئے جب تک اُس محسن کو تلاش نہ کر لے۔ کیونکہ بچہ بغیر ماں کے نہیں رہ سکتا۔ جس طرح بچہ کمزور اور ماں کا محتاج ہوتا ہے اسی طرح انسان بھی کمزور ہے اور ایک حافظ و ناصر کا محتاج ہے۔ اور جس طرح بچہ بغیر ماں کے نہیں رہ سکتا اسی طرح انسان بھی بغیر ایک حافظ و ناصر کے نہیں رہ سکتا۔ لیکن وہ حافظ و ناصر ایسا ہونا چاہیئے جو کامل علم والا اور کامل قدرت والا ہو اور ہر ایک عیب اور نقص اور کمزوری سے پاک ہو تا کہ انسان کی کامل طور پر پرورش اور حفاظت ہو سکے۔ ایسی ہستی وہی ہے جو مذہب اسلام نے پیش کی ہے۔ تیسری وجہ کا بیان ختم ہوا۔

(۱۲) قبل ازیں کہ میں اُس ہستی کے ہونے کا ثبوت دوں جو مذہب اسلام نے پیش کی ہے اُس ہستی پر ایمان لانے کے متعلق کچھ لکھتا ہوں تا کہ محقق کو ایمان لانے کی حقیقت معلوم ہو کر ایمان لانا آسان ہو جائے۔ سو واضح ہو کہ ایمان لانا کوئی انوکھی بات نہیں۔ دُنیا کا تمام کارخانہ ایمان پر ہی چل رہا ہے۔ ایمان کے معنے ہیں:۔ کسی چیز کے ہونے پر بغیر دیکھے صرف قرائن قویہ صدق کی بنا پر یقین کر لینا یا کسی کی بات پر نتیجہ کا مشاہدہ کئے بغیر صرف قرائن قویہ صدق کی بنا پر اعتبار کر لینا۔ لیکن اس یقین اور اعتبار کے لئے ضرورت کی شرط ہے۔ اگر ضرورت نہیں تو پھر یہ ایک لغو فعل ہوگا۔ اور لغو یعنے بے فائدہ کام کرنے کی طرف انسان کی طبیعت راغب نہیں ہوتی کیونکہ بیفائدہ کام کرنا انسان کی فطرت میں نہیں۔ واضح ہو کہ ایمان کا مطلب یہ نہیں کہ مثلاً میرے ہاتھ میں یہ قلم ہے تو کہدوں کہ میں ایمان لایا کہ یہ قلم ہے۔ اس کا نام ایمان نہیں کیونکہ اس میں کوئی پہلو اخفا کا نہیں۔ غرض دُنیا کے تمام لوگ ضرورت کی بنا پر اور اپنے فائدہ کے لئے صرف قرائن قویہ صدق کی بنا پر نتیجہ کا مشاہدہ کرنے سے پہلے ایک دوسرے پر اعتبار کر لیتے ہیں۔ چنانچہ دو کاندار آپس میں صدہا روپے کا لین دین ایک دوسرے پر اعتبار کی بنا پر ہی کرتے ہیں۔ بھوکا آدمی دوکاندار سے آٹا خریدتا

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ہے اور یقین کر لیتا ہے کہ اس دوکاندار نے آٹے میں زہر نہیں ملایا جبھی تو وہ اُس آٹے کی روٹی پکا کر امتحان کے لئے کُتے کو ٹکڑا ڈالے بغیر کھا لیتا ہے۔ حجامت کرانے والا صرف اعتبار کی بنا کر کہ یہ میری گردن نہیں کاٹے گا حجّام کے آگے سر جھکا دیتا ہے اور حجامت بنوا لیتا ہے۔ مرد صرف بیوی کے کہنے پر اعتبار کر کے اُس کے پیٹ سے پیدا شدہ بچوں کو اپنے بچے یقین کر لیتا ہے۔ اِن تمام مثالوں میں نتیجہ کے مشاہدہ سے پہلے اعتبار کر لینا صرف ضرورت اور قرائن قویۂ صدق کی بنا پر ہے۔

(۱۳) اور بعض وقت تو ضرورت اور احتیاج کی شدّت کی وجہ سے قرائن صدق کی طرف زیادہ توجہ ہی نہیں کی جاتی اور اعتبار کر لیا جاتا ہے۔ چنانچہ جب کوئی اجنبی نامعلوم الحال لنگوٹی پوش فقیر شہر میں وارد ہوتا ہے اور کیمیا جاننے کا دعوےٰ کرتا ہے تو لوگ بغیر اس تحقیقات کے کہ یہ کون ہے، کیسا ہے، کہاں سے آیا ہے، صرف اُس کے دعوے کی بنا پر اُس پر اعتبار کر لیتے ہیں اور اُس کے کہنے کے مطابق پورا پورا عمل کرتے ہیں۔ اُس کی نشان دہی کے بموجب جنگل سے بُوٹیاں توڑ کر لاتے ہیں۔ پہروں کھرل کرتے ہیں۔ روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ دوائیں خرید کر لاتے ہیں۔ بھٹیاں دھونکتے ہیں۔ لیکن نتیجہ کچھ نہیں نکلتا۔ پھر بھی ایمان میں فرق نہیں لاتے۔ بلکہ یہ کہنے لگ جاتے ہیں کہ ایک آنچ کی کسر رہ گئی۔ یہ کیوں؟ یہ اس لئے کہ سونے کو لوگ سخت ضروری چیز سمجھتے ہیں اور اُس کی نسبت عام خیال یہ ہے کہ اگر یہ قبضہ میں ہو تو انسان اپنی ہر ایک مراد اور خواہش پُوری کر سکتا ہے۔ چنانچہ کسی کا شعر ہے ؎

اے زر تُو خدا نئی ولیکن بخدا ٭ ستّارِ عیوب و قاضی الحاجاتی

حالانکہ لوگوں کا یہ خیال غلط ہے کیونکہ کبھی سونا باعثِ ہلاکت یا بربادی بھی ہو جاتا ہے۔ پس جبکہ ایسی چیز کے لئے جس کا مُضر ہونا بھی ثابت ہے ایک اجنبی نامعلوم الحال لنگوٹی پوش فقیر کی بات پر باوجود کسی قرینۂ صدق کے موجود نہ ہونے کے لوگ ایمان لے آتے ہیں تو مذہب اسلام کے لانے والے حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم جنہیں لوگ بچپن سے جانتے تھے اور جن کے راستباز اور امین ہونے اور لوگوں کا خیر خواہ ہونے اور بے غرض ہونے پر کسی کو بھی شک نہ تھا اور نہ اب ہے اُن کی اِس بات پر کہ:۔ "یہ جہان مخلوق ہے اور اِس کا ایک خالق ہے اور وہ خالق کامل علم والا اور کامل قدرت والا ہے سونا چاندی بھی اُس کے قبضہ میں ہے۔ اور لوگوں کا دُکھ سُکھ بھی اُسی کے قبضہ میں ہے۔ وہ مجھ سے کلام کرتا ہے اور اُس نے مجھے رسول اور ہادی بنا کر لوگوں کی طرف بھیجا ہے۔ اگر کوئی میری پُوری پُوری پیروی اور اطاعت کریگا تو وہ خالق اُس کی ہر ایک مراد اور خواہش کو پُورا کرے گا اور اُسے دائمی طور پر ہر ایک قسم کے دُکھ سے نجات دیگا اور دائمی طور پر ہر ایک قسم کا سُکھ اور خوشی عطا فرمائے گا" بطریقِ اَولےٰ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ایمان لے آنا چاہیئے۔ کیونکہ حضورؑ کے اِس دعوے کے متعلق قرائن تو بیّن مصدق بھی موجود ہیں اور دعوے بھی اُس امر کے حصول کے متعلق ہے جو انسان کا اصلی اور انتہائی مدعا اور مقصود ہے یعنی دائمی طور پر جسمانی دُکھوں سے نجات پانا اور دائمی طور پر جسمانی لذات کا حاصل کرنا۔

(۱۴) میرے اِس مضمون کو یہاں تک پڑھکر شاید کسی کو یہ خیال گذرے کہ یہ تو حیوانیت ہے۔ جسمانی لذات تو حیوانوں کو بھی حاصل ہیں پھر حیوان اور انسان میں کیا فرق ہؤا۔ اِس کا جواب میں نے مفصل طور پر دیدار الٰہی ع۲ میں دیدیا ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ اِس جواب کا عنوان ہے "بعض سوالات اور اعتراضات کا جواب"۔

(۱۵) اب مَیں ذیل میں حسب وعدہ اُس ہستی کے ہونے کا ثبوت دیتا ہوں جو مذہب اسلام نے پیش کی ہے:۔

ثبوت!

حدیث شریف میں ہے:۔ مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ۔ یعنے جس نے اپنے آپ کو پہچانا اُس نے اپنے رب کو پہچانا۔ اِس حدیث شریف میں رَبّ کا لفظ خدا شناسی کے لئے بطور بنیاد کے رکھا گیا ہے کیونکہ سب سے پہلے انسان کی نظر اپنے وجود پر پڑتی ہے اور وہ دیکھتا ہے کہ میری پرورش تو ہو رہی ہے لیکن پرورش کرنے والا اُسے نظر نہیں آتا۔ تب وہ اس کی تلاش میں لگ جاتا ہے اور اُسے قرار نہیں آتا جب تک وہ اُسے نہ پالے۔ بالکل اِسی طرح جس طرح کسی بچے کی ماں اُس کی آنکھوں سے اوجھل ہو جائے تو اُسے چین نہیں آتا جب تک اُسے دیکھ نہ لے۔ وجہ یہ کہ اُس کے دُکھ سے بچنے اور سُکھ حاصل کرنے کا مدار ماں پر ہوتا ہے۔ اِسی طرح ایک عقلمند کو چین نہیں آتا جب تک وہ اپنے حقیقی رب کو نہ پالے۔

(۱۶) مندرجہ بالا حقیقت کا ذکر قرآن شریف میں اِس طرح پر ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ نے جوان ہو کر ہوش سنبھالا تو اُنہیں سب سے پہلے یہ خیال آیا کہ میری پرورش تو یقیناً ہو رہی ہے تو میرا پرورش کرنے والا بھی ضرور ہونا چاہیئے۔ کیونکہ بغیر رب کے رُبوبیّت نہیں ہوسکتی۔ تب انہوں نے اپنے رب کو تلاش کرنا شروع کیا۔ کیونکہ جیسا کہ اُوپر لکھا گیا ہے بچّہ بغیر ماں کے نہیں رہ سکتا۔ اگر ماں پاس نہ ہو تو بچّہ بے چین اور بے قرار ہو جاتا ہے۔ اِسی طرح حضرت ابراہیمؑ بھی اپنے رب کو پانے بغیر بے قرار تھے۔ ستاروں اور چاند اور سورج اور دُنیا کی دوسری چیزوں مثلاً ماں۔ باپ۔ رشتہ دار

Digitized by Khilafat Library Rabwah

دوست - بادشاہ سلطنت - دولت - طاقت - عزت وغیرہ کی نسبت تو انہوں نے غور کر کے فیصلہ کر لیا کہ یہ چیزیں میری رب نہیں ہو سکتیں - کیونکہ یہ سب چیزیں خود محتاج اور کمزور ہیں اور کبھی ہوتی ہیں اور کبھی نہیں ہوتیں لیکن میری پرورش تو ہر آن اور ہر وقت ہو رہی ہے لہٰذا میرا رب اِن چیزوں کے سوا کوئی اور ہستی ہے جو ہر وقت اور ہر آن موجود ہے اور ہر لحظہ میرے ساتھ ہے - غرض وہ اپنے رب کی تلاش میں لگے ہوئے تھے کہ خدا تعالےٰ اُن سے ہم کلام ہوا اور اُنہیں اپنا مقرب بنا کر نبی بنا دیا -

(۱۷) اب میں بموجب مضمون حدیث شریف مندرجہ عنوان ذیل میں بتاتا ہوں کہ انسان شناسی سے خدا شناسی کس طرح حاصل ہوتی ہے - اِس کے لئے سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ انسان کس طرح پہچانا جاتا ہے - سو واضح ہو کہ دُنیا کی کسی چیز کے ہونے پر یقین کرنے کے لئے صرف اُس چیز کی صفات کا معلوم ہونا ضروری ہے اُس کی ذات کی حقیقت اور کُنہ کے معلوم کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ذات کا قیام صفات کی بنا پر ہی ہوتا ہے - اگر صفات نہ ہوں تو ذات بھی نہیں ہو سکتی - مثلاً میرے ہاتھ میں جو پنسل ہے اُس کا گول ہونا پنسل نہیں بلکہ گول ہونا پنسل کی صفت ہے اسی طرح پنسل کا لمبا ہونا پنسل نہیں بلکہ لمبائی پنسل کی صفت ہے - اِسی طرح اُس کا سخت ہونا پنسل نہیں بلکہ سختی پنسل کی صفت ہے - اِسی طرح پنسل کا سرخ ہونا یا نیلا ہونا اور پنسل کا کاغذ پر لکھنا یہ سب پنسل کی صفات ہیں - غرض پنسل کی ذات ہمیں نظر نہیں آتی بلکہ جو کچھ بھی آنکھوں کو نظر آتا ہے اور ہاتھ کو محسوس ہوتا ہے یہ سب پنسل کی صفات ہیں - پس باوجود اِس کے کہ ہمیں پنسل یا یوں کہو کہ پنسل کی ذات نظر نہیں آتی بلکہ صرف اُس کی صفات نظر آتی ہیں ہمیں پنسل کے ہونے پر پورا یقین ہے اور چونکہ ہم اُس سے پورا پورا فائدہ حاصل کر رہے ہیں اس لئے ہمیں پنسل کی ذات اور اُس کی کُنہ کی حقیقت کو معلوم کرنے کی ضرورت بھی نہیں - پنسل کے سوا دُنیا کی کوئی چیز لے لو اُس کی صرف صفات ہی نظر آئیں گی ذات نظر نہیں آئے گی - پس معلوم ہوا کہ ذات کا ظہور صفات کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور اشیاء کا نام قائم مقام ذات کے ہوتا ہے اور صفات کا دیکھنا ذات ہی کا دیکھنا ہے -

دُنیا میں صرف چھ قسم کی چیزیں پائی جاتی ہیں - اِن کے سوا اور کسی قسم کی کوئی چیز نہیں ہے - اوّل جمادات - دوم نباتات - سوم حیوانات - چہارم انسان - پنجم ملائکہ - ششم خدا تعالےٰ - یہ تمام کی تمام چیزیں صرف اپنی صفات سے پہچانی جاتی ہیں - ذات اِن میں سے کسی کی نظر نہیں آتی - پس معلوم ہوا کہ دُنیا کا تمام کارخانہ دُنیا کی اشیاء کی محض صفات کی معرفت پر ہی چل رہا ہے - اور

Digitized by Khilafat Library Rabwah

انسان کے لئے صرف اِسی قدر کافی ہے کیونکہ اس کی تمام ضروریات صرف صفات کی معرفت سے ہی پُوری ہو رہی ہیں۔ ذات اور کُنہ کے مشاہدہ کی اُس کو ضرورت نہیں۔ اور نہ ذات کسی چیز کی نظر آسکتی ہے قرآن شریف نے صرف خدا تعالےٰ کی صفات ہی بیان کی ہیں اور ذات کی جگہ نام کو پیش کیا ہے۔ یعنے اَللّٰہ۔ یہ بھی واضح ہو کہ الہام اور کشف اور خواب میں بھی جو کچھ ظاہر ہوتا ہے اور نظر آتا ہے وہ بھی صفات کا ظہور ہوتا ہے ذات نہیں ہوتی۔ چنانچہ الہام میں کلام ہوتا ہے اور کلام متکلّم کی صفت ہوتی ہے ذات نہیں ہوتی۔ اِسی طرح کشف اور خواب میں جو اشیاء نظر آتی ہیں وہ بھی صفت خلق اور صفت صنعت کا ظہور ہوتا ہے۔ انسان بھی اپنی ذات کی حقیقت اور کُنہ کو معلوم نہیں کر سکتا حالانکہ دوسری چیزوں کی نسبت انسان اپنے آپ سے بہت قریب ہے۔ وہ بھی محض اپنی صفات کے مطالعہ سے اپنے آپ کو پہچانتا ہے اور صرف صفات کے مطالعہ سے اُسے اپنے ہونے پر اطمینان اور شرح صدر ہو جاتا ہے۔ یہی صورت خدا تعالےٰ کے متعلق ہے۔ یعنے خدا تعالےٰ کے ہونے کو ثابت کرنے کے لئے صرف اُس کی صفات کا ثابت کرنا کافی ہے۔ صفات کے مشاہدہ سے اُس کی ذات کے ہونے پر کافی سے بڑھکر یقین حاصل ہو جاتا ہے۔ مذہب اسلام نے اِس یقین کا نام ایمان بالغیب رکھا ہے۔ کیونکہ صفت ذات نہیں ہوتی بلکہ ذات کے ہونے پر علامت ہوتی ہے۔ مذہب اسلام نے اِس یقین کے یا ایمان بالغیب کے تین درجے قائم کئے ہیں۔ اوّل:۔ علم الیقین۔ دوم:۔ عین الیقین سوم:۔ حق الیقین۔ اِن میں سے تیسرے درجے یعنے حق الیقین کا یہ مطلب نہیں کہ ذات کا مشاہدہ ہو جاتا ہے اور نہ یہ مراد ہے کہ اس سے زیادہ کسی چیز کی معرفت نہیں ہو سکتی بلکہ حق الیقین سے مراد یہ ہے کہ جس چیز کی جس قدر معرفت حاصل کرنے کی ضرورت تھی اس قدر حاصل ہو گئی اور جو فائدہ اُس چیز سے حاصل کرنا تھا وہ حاصل ہو گیا۔

(۱۸) تفصیل اِس اجمال کی یہ ہے کہ مثلاً ہم نے کھانا پکانا ہے اور آگ کی ہمیں ضرورت ہے۔ اب دُور سے دُھواں اُٹھتا نظر آیا تو ہمیں اِس بات کا علم ہُوا کہ وہاں آگ ہے۔ یہ یقین کا پہلا درجہ ہے اِس کا نام علم الیقین ہے۔ اِس درجہ میں آگ کی صرف ایک علامت نظر آئی ہے۔ پھر جب پاس جا کر آگ کی سُرخی اور اُس کی چمک اور اُس کے شعلوں کو دیکھا تو یہ یقین کا دُوسرا درجہ ہے۔ اِس درجہ کا نام عین الیقین ہے۔ اِس درجہ میں چونکہ آگ کی بعض اور صفات کا مشاہدہ ہُوا ہے اِس لئے پہلے درجہ کی نسبت آگ کے ہونے پر یقین میں زیادتی ہو گئی ہے۔ مگر ابھی کوئی فائدہ ہمیں حاصل نہیں ہُوا۔ پھر جب اور زیادہ نزدیک ہو کر ہاتھ کو حرارت محسوس ہوئی تو اب یقین کامل ہو گیا کہ یہ سینما کی نقلی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اور تصویری آگ نہیں بلکہ اصلی آگ ہے۔اور یہ یقین کا وہ درجہ ہے جو مطلوب ہے۔اس کا نام حق الیقین ہے یعنے اب ہمیں یہ یقین ہو گیا کہ ہم اپنا کھانا پکا سکتے ہیں۔کیونکہ آگ سے مقصود کھانا پکانے کے لئے حرارت کا حاصل کرنا تھا سو وہ ہم نے حاصل کر لیا اور اپنا کھانا پکا لیا اور کھا لیا۔جس سے بھوک کی تکلیف بھی جاتی رہی اور لذّت بھی حاصل ہوئی۔اور یہی انسان کی فطرت کا انتہائی اور اصلی مقصود ہے۔یعنے جسمانی دُکھ سے بچنا اور جسمانی لذّت حاصل کرنا۔اب ہمیں آگ کی نسبت زیادہ تحقیقات کی ضرورت نہیں۔اگرچہ مزید تحقیقات سے آگ کی مزید صفات کی معرفت بھی حاصل ہو سکتی ہے۔مثلاً یہ کہ آگ یعنے حرارت کی پیدائش کاربن اور آکسیجن کے ملنے سے ہوتی ہے۔مگر ہمیں مزید تحقیقات کی ضرورت نہیں۔کیونکہ ہمیں مزید صفات کے معلوم کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔وجہ یہ کہ جو ہمارا اصلی اور انتہائی مُدعا اور مقصود تھا وہ ہمیں حاصل ہو گیا یعنے بھوک کی تکلیف دُور ہو گئی اور لذّت حاصل ہو گئی۔

(۱۹) مندرجہ بالا تحقیقات سے معلوم ہوا کہ ہمیں آگ کی ذات کے معلوم کرنے کی ضرورت نہ تھی بلکہ صرف اس کی چند صفات کے معلوم کرنے کی ضرورت تھی۔کیونکہ خواہ کسی کو اِس بات کا علم نہ بھی ہو کہ آگ کاربن اور آکسیجن کے ملنے سے بنتی ہے تو اُس کا کچھ نقصان نہیں۔اور معلوم ہو جانے پر بھی اُسے اِس بات کا غم نہ ہوگا کہ کھانا پکانے سے پہلے مجھے کاربن اور آکسیجن کا علم کیوں نہ ہوا۔یہاں سے ثابت ہوا کہ انسان کا مدعا آم کھانا ہے پیڑ گننا نہیں۔اگر کوئی کہے کہ کاربن اور آکسیجن کے معلوم ہونے سے تو بڑی بڑی ایجادیں ہوئیں۔تو مَیں کہتا ہوں کہ اِن ایجادوں کا مقصود بھی وہی بھوک کے دُکھ سے نجات پانا اور جسمانی لذات کا حاصل کرنا ہے۔کسی کو کاربن اور آکسیجن کے علم کے بغیر یہ بات حاصل ہو گئی اور کسی کو کاربن اور آکسیجن کا علم ہو کر اور ایجاد فروخت کر کے حاصل ہو گئی۔نتیجہ میں دونوں برابر ہیں۔بلکہ جنہوں نے ایجادیں کیں وہی دُنیا کی مصیبت کا باعث ہوئے۔پچھلی جنگ عظیم اور موجودہ جنگ جو قیامت کا نمونہ ہے اِنہی ایجادوں کی بدولت ہے۔پس سائنس کی ترقی اور ایجادیں عذاب الیم کا باعث ہوئیں نہ کہ فائدہ کا۔جب سے دُنیا بنی ہے تب سے اب تک لوگ اِن ایجادوں کے بغیر ہی زندگی بسر کر رہے تھے اور اکثر کر رہے ہیں۔البتہ اِن ایجادوں سے دین کی اشاعت کو اور باخدا لوگوں کو فائدہ ہوا کہ اُنہیں خدا تعالےٰ کی صفتِ علم اور صفتِ حکمت اور صفتِ قدرت کی عظمت اور غیر محدود ہونے پر حق الیقین حاصل ہو گیا اور اُن کے ایمان اور تعلق باللہ میں ترقی ہوئی اور سائنسدان اُن کے خادم ثابت ہوئے لیکن خود دین سے دُور جا پڑے۔

(۲۰) اُوپر آگ کی مثال دے کر یہ بتایا گیا ہے کہ حق الیقین سے مراد ذات کا مشاہدہ نہیں بلکہ یہ مطلب

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ہے کہ جس قدر کسی چیز کی معرفت حاصل کرنے کی ضرورت تھی وہ حاصل ہوگئی اور جو فائدہ اُس چیز سے حاصل کرنا تھا وہ حاصل ہوگیا۔ اب واضح ہو کہ یہی حال خدا تعالےٰ کی معرفت اور اُس کی شناخت کے متعلق ہے۔ ہمیں خدا تعالےٰ کے متعلق اِس قدر معرفت کی ضرورت ہے جس سے ہم خدا تعالےٰ سے اپنا اصلی اور انتہائی مدعا اور فائدہ حاصل کر سکیں۔ جس کا ذکر پیرے گراف نمبر ۱۳ کی آخری سطر میں آچکا ہے۔ یعنے دائمی طور پر ہر ایک قسم کے جسمانی اور روحانی دُکھوں سے نجات پانا اور دائمی طور پر ہر ایک قسم کی جسمانی اور روحانی لذات کا حاصل کرنا..... سو اس قدر معرفت اور دیدار کے لئے ہمیں صرف خدا تعالےٰ کی اُن صفات کا معلوم ہونا کافی ہے جن کا اِس دُنیا میں ظہور ہو رہا ہے۔ اور جنہیں خدا تعالےٰ نے انسان کے فائدہ کے لئے خود ظاہر کر دیا ہے۔ حدیث مندرجہ سطر ۱۱ صفحہ ۱۰ میں ربوبیت سے مراد فائدہ پہنچانا ہی ہے۔

(۲۱) جو لوگ خدا تعالےٰ کی ذات کو دیکھنا چاہتے ہیں اُن کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی اپنے معشوق کا سر پھوڑ کر دیکھنا چاہے کہ اُس کے اندر کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسا کرنے سے سوائے دُکھ اور غم کے اُسے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ کیونکہ معشوق بھی اُس کے ہاتھ سے جائے گا اور جو خوشی اُسے اپنے معشوق سے حاصل ہو رہی تھی وہ بھی جاتی رہے گی۔ فیج اعوج کے صُوفی غلط فہمی سے ذات الٰہی کی تلاش میں لگے رہے۔ چنانچہ اُن کے زیرِ اثر امیر کا یہ شعر ہے ؎

شہرہ سے حُسن کے ہوئے مشتاقِ یار ہم
سُنکر صفات ہم کو ہوئی ذات کی تلاش

مگر اُن کے ہاتھ کچھ نہ آیا اور نہ آئے گا۔ غرض خدا تعالےٰ پر ایمان لانے کے لئے صرف اُس کی صفات کا معلوم ہونا کافی ہے۔ مذہب اسلام کا یہ منشاء نہیں کہ لوگوں کا ایمان تب قبول ہوگا جبکہ اُنہیں خدا تعالےٰ کی ذات کی حقیقت اور کُنہ بھی معلوم ہو۔ مذہب اسلام صرف یہ چاہتا ہے کہ جس طرح دُنیا کی اور چیزیں پہچانی جاتی ہیں اُسی طرح خدا تعالےٰ کو پہچانا جائے۔

(۲۲) اب میں بتاتا ہوں کہ دُنیا کی اور چیزیں کس طرح پہچانی جاتی ہیں۔ سو واضح ہو کہ جیسا کہ پیچھے بتایا گیا ہے دُنیا میں ذات کسی چیز کی نظر نہیں آتی بلکہ ہر چیز اپنی صفات سے پہچانی جاتی ہے۔ مادی ہو خواہ غیر مادی۔ مادی چیزوں میں سے سب سے پہلے ہمیں کسی چیز کا رنگ اور اُس کی شکل اور اُس کا ساکن ہونا یا متحرک ہونا نظر آتا ہے۔ یہ چاروں باتیں اُس چیز کی صفات ہیں۔ اور ان چاروں صفات کا معلوم کرنا حسِ باصرہ کا کام ہے۔ پھر حسِ لمس سے ہمیں اُس کا سخت ہونا یا نرم ہونا اور گرم ہونا یا

Digitized by Khilafat Library Rabwah

سرد ہونا اور اُس کا وزن معلوم ہوتا ہے۔ یہ سب باتیں بھی اُس چیز کی صفات ہیں۔ پھر حسِ ذائقہ سے اُس کا مزہ چکھا جاتا ہے اور حسِ شامہ سے اُس کی خوشبو یا بدبو سونگھی جاتی ہے اور حسِ سمع سے اُس میں آواز کا ہونا یا نہ ہونا معلوم کیا جاتا ہے۔ یہ سب باتیں بھی اُس چیز کی صفات ہیں۔ اِن کے سوا ہمیں اُس چیز کی اور کوئی بات معلوم نہیں ہوتی۔ اِس کے بعد ہم اِن تمام صفات کے مجموعہ کا ایک نام رکھ لیتے ہیں۔ مثلاً ہمیں ایک فٹ لمبا اور ایک فٹ چوڑا اور پانچ انچ موٹا مربع شکل یا مدور شکل کا غیر متحرک خاکی رنگ نظر آیا۔ پھر ہم نے اُسے ہاتھ لگایا تو اُس میں مزاحمت یعنے سختی پائی گئی۔ پھر جب ہم نے اُسے ہاتھوں سے اُٹھایا تو اُس میں وزن پایا گیا۔ اِن تمام صفات کو دیکھکر ہم نے یقین کر لیا کہ یہ دُنیا کی چیزوں میں سے ایک چیز ہے اور یہ مادہ کی بنی ہوئی ہے کیونکہ سائنس نے مادہ کے یہی خواص اور صفات بتائے ہیں یعنے مزاحمت[۱] کرنا۔ وزن[۲] رکھنا۔ جگہ گھیرنا[۳]۔ اپنی حرکت[۴] دوسری چیز میں منتقل کرنا۔ تب ہم نے دوسری چیزوں سے تمیز کرنے کے لئے اُس کا نام اپنی زبان میں پتھر رکھدیا۔ فارس والوں نے اُس کا نام سنگ رکھ لیا۔ عربوں نے اُس کا نام حجر رکھ لیا۔ انگریزوں نے اُس کا نام سٹون رکھ لیا۔ اسی طرح دُنیا کی دوسری مادی چیزیں پہچانی گئیں اور ایک دوسرے سے تمیز کرنے کے لئے ہر ایک مجموعۂ صفات کا ایک نام رکھ دیا گیا۔ غرض دُنیا میں جمادات[۱]۔ نباتات[۲]۔ حیوانات[۳] اور انسان[۴] کے ہونے پر صرف اُن کی صفات کے ذریعہ سے یقین کیا جاتا ہے۔ صفات کے سوا ہمیں اور کوئی بات کسی چیز کی نظر نہیں آتی۔ یہی صورت خدا تعالیٰ کے ہونے پر یقین کرنے کی ہے یا یوں کہو کہ خداشناسی کی یا یوں کہو کہ دیدارِ الٰہی کی یہی صورت ہے کیونکہ صفات کا معلوم کرنا ہی قائم مقام دیدار کے ہے۔ دیدار میں صرف صفات ہی نظر آتی ہیں صفات کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔ مجازی عشق میں بھی عاشق کو معشوق کی صرف صفات ہی نظر آتی ہیں۔ ذات نظر نہیں آتی۔ مرد کو عورت کی صرف صفات کی ہی ضرورت ہے۔ جسم کی نرمی۔ گرمی۔ شکل۔ حُسن۔ لذت۔ کلام۔ حرکات۔ سیرت۔ اخلاق وغیرہ سب صفات ہیں اور صرف یہی چیزیں مرد کی مطلوب ہیں اور اُسے خوش کرنے کے لئے کافی ہیں۔ عورت کی ذات کی حقیقت سے اُسے کچھ سروکار نہیں۔ یہی مجموعۂ صفات اُس کے لئے ذات ہے۔ غرض عشقِ مجازی عشقِ حقیقی کے لئے ایک نمونہ اور ذریعۂ ہدایت ہے۔

(۲۳) اب مَیں بموجب مضمون حدیث شریف مندرجہ صفحہ ۹ مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ بتاتا ہوں کہ دُنیا کی چیزوں میں سے خداشناسی کے لئے انسان کو کیوں چُنا گیا۔ سو واضح ہو کہ متذکرہ بالا چار چیزوں میں سے نباتات[۱]۔ حیوانات[۲] اور انسان[۳] میں بعض ایسی صفات ہیں جو جمادات میں نہیں۔ مثلاً زندگی اور نُمو۔ اگر یہ دو صفات اِن میں نہ ہوتیں تو اِن تینوں کا شمار بھی جمادات میں ہوتا۔ پھر اِن

Digitized by Khilafat Library Rabwah

تینوں میں سے حیوانات اور انسان میں بعض ایسی صفات ہیں جو نباتات میں نہیں۔ مثلاً:۔ دیکھنا۔ سننا۔ سونگھنا۔ چکھنا۔ چھونا یعنے حواس خمسہ۔ پھر حیوانات اور انسان میں سے صرف انسان میں بعض ایسی صفات ہیں جو حیوانات میں نہیں۔ مثلاً:۔ بولنا۔ نتیجہ نکالنا۔ دُور اندیشی۔ انجام بینی۔ خداشناسی۔ اس تحقیقات سے ثابت ہؤا کہ انسان باقی تینوں چیزوں سے اکرم اور افضل ہے۔ یعنے اشرف المخلوقات ہے اور باقی دُنیا کی تمام چیزیں انسان کے لئے بطور خادم کے ہیں۔ انسان کے اشرف المخلوقات ہونیکی ایک اور بہت بڑی دلیل یہ ہے کہ باقی تینوں چیزوں میں سے خدا تعالےٰ نے بھی انسان ہی کو اپنی ہم کلامی کے لئے چُنا اور اُس سے کلام کر کے اُسے اپنا پتہ دیا اور اُسے نبی اور رسول بناکر لوگوں کی طرف ہدایت کے لئے بھیجا۔ چنانچہ حدیث قدسی میں ہے:۔ كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ اٰدَمَ۔ یعنے میں ایک پوشیدہ خزانہ یعنے ایک مفید چیز تھا (کیونکہ خزانہ مفید ہؤا کرتا ہے)، پس مَیں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں (یعنے مجھ سے فائدہ حاصل کیا جائے کیونکہ خزانہ کی حقیقی پہچان یہی ہے کہ خزانہ سے فائدہ حاصل کیا جائے۔) سو مَیں نے آدم کو (یعنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو) پیدا کیا۔ یہاں سے انسان کا باقی تمام مخلوقات سے افضل ہونا ثابت ہؤا۔ کیونکہ حضور انسان تھے۔ چنانچہ قرآن شریف میں ہے اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔

(۲۴) پھر مزید ثبوت باقی تمام مخلوقات سے انسان کے افضل اور اکرم اور اشرف ہونے کا یہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے انسان میں محدود طور پر وہی صفات رکھیں جو اُس کی اپنی تھیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ:۔ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ۔ ترجمہ:۔ یقیناً پیدا کیا خدا نے آدم کو اپنی صورت پر۔ ہ کی ضمیر خدا تعالےٰ کی طرف ہے۔ صورت سے مراد یہاں صفات ہیں شکل مراد نہیں۔ کیونکہ نہ خدا تعالےٰ کی کوئی شکل ہے اور نہ انسان کی کوئی شکل ہے۔ انسان کا جسم انسان نہیں بلکہ وہ مادہ کا ایک محدود تودہ ہے جسے خدا تعالےٰ نے ایک نہایت احسن ترتیب کے ساتھ مرتب کر کے انسان کے قبضہ میں دیدیا ہے۔ خود انسان اس جسم کے اندر ایک پوشیدہ اور نامعلوم الکُنہ شے ہے۔ جو ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔ ہاں وہ اپنا ہونا اور اپنی مرضی جسم کے اعضاء کی حرکات سے ظاہر کرتا ہے۔ انسان کا جسم محض ایک مشین ہے جس سے انسان کام لیتا ہے۔ غرض انسان کا جسم انسان نہیں یہ جسم مرنے کے بعد اسی دُنیا میں رہ جاتا ہے۔ اور خواب میں تو ہر روز انسان کو ایک نیا جسم ملتا ہے۔ موجودہ جسم نیند کی حالت میں چارپائی پر پڑا ہوتا ہے۔ اسی طرح خدا تعالےٰ بھی اپنے آپ کو اور اپنی مرضی کو اس مادی جہان کے ذریعہ سے ظاہر کرتا ہے۔ گویا یہ جہان اُس کے لئے بمنزلہ جسم کے ہے (دیکھو توضیح مرام

Digitized by Khilafat Library Rabwah

صفحہ ۳۰ سے تصنیف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام -) غرض بموجب حدیث اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ خدا تعالیٰ نے اپنی تمام صفات محدود طور پر انسان میں رکھکر انسان کو اپنا مظہر بنایا۔ یہاں تک کہ ایک صفت خدا تعالیٰ کی بغیر اسباب کے محض قوت ارادی سے کام کرنا ہے جیسا کہ آیت اِنَّمَا اِذَا اَرَدْنَا لِشَیْءٍ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ سے ظاہر ہے۔ سو یہ صفت بھی خدا تعالیٰ نے محدود طور پر انسان میں رکھدی۔ یہی صفت مسمریزم کی بُنیاد ہے یعنے جس طرح خدا تعالیٰ محض ارادہ سے بغیر سبب کے بھی کام کرتا ہے اُسی طرح انسان بھی محض قوت ارادی سے بغیر مادی سبب کے محدود طور پر کچھ نہ کچھ کرلیتا ہے۔ یہ صفت ہر شخص کے اندر ہے۔ مذہب سے اِس کو کوئی تعلق نہیں۔ غرض اِس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ انسان کی صفات خدا تعالیٰ کی صفات سے مشابہت رکھتی ہیں۔ یہی وہ وجہ ہے جسکی وجہ سے انسان کو خداشناسی کیلئے چُنا گیا۔ واضح ہو کہ صفت ازلیت میں مشابہت کی ضرورت نہیں۔

(۲۵) بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ دُنیا کی تمام چیزیں ہمیں ظاہری آنکھوں سے نظر آتی ہیں اس لئے ہمیں اُن کے ہونے کا یقین ہے۔ پس اگر خدا تعالیٰ بھی ہمیں ظاہری آنکھوں سے نظر آئے تو ہم اُس کے ہونے پر یقین کرلیں گے۔ ورنہ بغیر ظاہری آنکھوں سے دیکھے ہم اُس کے ہونے پر کس طرح یقین کرلیں۔ اِن لوگوں کا یہ خیال بوجوہات ذیل غلط ہے - اوّل :- یہ کہنا کہ دُنیا کی تمام چیزیں ظاہری آنکھوں سے نظر آتی ہیں اس لئے غلط ہے کہ بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتیں لیکن اُن کے ہونے پر ہمیں یقین ہے۔ مثلاً :- ہوا۔ آواز۔ درد۔ لذت۔ دوم :- یہ کہ دیکھنے کا لفظ صرف ظاہری آنکھوں سے دیکھنے پر ہی نہیں بولا جاتا بلکہ یقین کرنے پر بھی بولا جاتا ہے۔ اور درحقیقت دیکھنا اِسی بات کا نام ہے کہ کسی چیز کے ہونے پر یقین آجائے۔ ظاہری آنکھوں سے دیکھنا صرف یقین حاصل کرنے کا ذریعہ ہے مقصود نہیں۔ بلکہ بعض وقت ظاہری آنکھوں سے دیکھنے میں تو دھوکا بھی لگ جاتا ہے۔ مثلاً جس شخص کو سینما کی حقیقت کا پتہ نہ ہو وہ جب تصویروں کو دیکھے گا تو انہیں اصلی انسان اور اصلی چیزیں سمجھے گا۔ پھر ظاہری آنکھوں سے ستارے ایک پائی کے برابر نظر آتے ہیں لیکن درحقیقت وہ بہت بڑے ہیں۔ سوم :- یہ کہ کسی چیز کے ہونے پر یقین کرنے کے لئے صرف آنکھوں سے ہی کام نہیں لیا جاتا بلکہ حِسّ بصر کے سوا باقی چار حواس سے بھی کام لیا جاتا ہے۔ مثلاً خوشبو اور بدبو کا علم ناک کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ آواز کا علم کان کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے۔ گرمی اور سردی۔ سختی اور نرمی کا علم چھُونے کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ مٹھاس۔ کھٹاس۔ کڑواہٹ۔ نمکینی وغیرہ کا علم چکھنے سے ہوتا ہے۔ البتہ اِن چاروں حواس کے ساتھ حِسّ بصر بطور مددگار کے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کام کرتی ہے۔ مثلاً ناک سے گلاب کا پھول سونگھا تو آنکھوں نے اُس کے رنگ اور شکل اور بناوٹ کو دیکھا۔ ہاتھوں نے اُس کی نرمی کو معلوم کیا تب معلوم ہوا کہ یہ گلاب کا پھول ہے موتیا یا چنبیلی یا گیندے کا نہیں۔ کپڑے کو چھو کر اُس کا موٹا یا پتلا یا نرم ہونا معلوم کیا۔ آنکھوں نے اُس کا رنگ اور اُونی یا سُوتی ہونا بتلایا اور بعض چیزیں دُنیا میں ایسی ہیں کہ جن کے معلوم کرنے میں حواس خمسہ براہِ راست کام نہیں کرتے بلکہ بالواسطہ کام کرتے ہیں۔ مثلاً محبت۔ عداوت۔ غُصّہ۔ خوشی۔ غم۔ چنانچہ آنکھیں چہرہ کو دیکھ کر بتا دینگی کہ یہ شخص خوش ہے یا مغموم۔ خود غم ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آئیگا۔ غرض یہ خیال کہ خدا تعالیٰ ظاہری آنکھوں سے نظر آنا چاہئیے غلط خیال ہے۔ البتہ خدا تعالیٰ کے ہونے پر یقین کرنے کے لئے ظاہری آنکھیں بطور مددگار اور واسطہ اور سبب کام دیتی ہیں یعنے خدا تعالیٰ کی مادی مصنوعات کو ظاہری آنکھوں کے ساتھ دیکھنے سے خدا تعالیٰ کی صفات کا علم حاصل ہوتا ہے۔ اور جیسا کہ پیچھے ثابت کیا گیا خدا تعالیٰ کی صفات کو دیکھنا خود خدا تعالیٰ کو دیکھنا ہے۔ ذات نہ انسان کی نظر آتی ہے نہ خدا تعالیٰ کی۔ پس اگر انسان کے جسم اور جسم کے افعال و صفات کو دیکھنا انسان کا دیکھنا ہے تو اِس جہان کو اور اِس جہان کی مادہ سے بنی ہوئی اشیاء اور اُن کی صفات اور افعال کو دیکھنا خدا تعالیٰ کو دیکھنا ہے۔ چنانچہ اِسی لئے اِس جہان کا نام عالَم ہے اور عَالَمْ اسم آلہ ہے جسکے معنے ہیں معلوم کرنے اور پہچاننے کا آلہ۔ پس اِس جہان کا نام عَالَمْ اِسی لئے رکھا گیا ہے کہ اِس کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ پہچانا جاتا ہے۔ دیکھو توضیح مرام صفحہ ۳۳۔

(۲۶) پچھلے صفحات میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ہر چیز اپنی صفات سے پہچانی جاتی ہے اور انسان کو بھی اپنے ہونے پر محض اپنی صفات کے مطالعہ سے ہی یقین آیا ہے۔ لہذا حدیث مندرجہ عنوان پیرگراف ۱۵ مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ کی روشنی اور ہدایت میں ہمیں پہلے یہ دیکھنا چاہئیے کہ انسان کی صفات کیا کیا ہیں۔ پھر تلاش کر کے دیکھنا چاہئیے کہ کیا اِسی قسم کی صفات انسان کی صفات کے علاوہ دُنیا میں پائی جاتی ہیں یا نہیں اگر پائی جاتی ہیں تو ہمیں اِس بات پر یقین کرنا ہوگا کہ انسان جیسی ایک اور ہستی بھی دُنیا میں ہے کیونکہ بحکم علوم متعارفہ مسلّمہ صفت بغیر موصوف کے نہیں ہو سکتی۔ اور اگر وہ صفات غیر محدود ہوں تو ہمیں یہ بھی یقین کرنا ہوگا کہ انسان کی نسبت وہ ہستی بہت بڑی ہے کیونکہ انسان اپنی صفات میں محدود ہے۔ پھر اگر اِن صفات سے یہ بھی ثابت ہو کہ وہ خالق ہے دُنیا کی تمام چیزوں کا اور رب ہے ہر ایک مخلوق کا اور کامل ہے علم میں اور کامل ہے قُدرت میں تو ہمیں یہ بھی یقین کرنا ہوگا کہ قرآن شریف نے جو ہستی پیش کی ہے یہ وہی ہستی ہے جس کا بعد تلاش ہمیں دیدار ہوا ہے۔ اور یہ کہ قرآن شریف نہایت سچی کتاب ہے اور مذہب اسلام بالکل سچا مذہب ہے۔ کیونکہ ہم نے تلاش کر کے اُس ہستی کو دیکھ لیا جسے قرآن نے اور اسلام

Digitized by Khilafat Library Rabwah

نے پیش کیا ہے۔

(۲۷) اب ہمیں پہلے یہ دیکھنا چاہیئے کہ انسان کی صفات کیا کیا ہیں۔ سو واضح ہو کہ انسان کی صفات حسب ذیل ہیں:۔ حیات۔ سمع۔ بصر۔ فعل۔ ارادہ۔ علم۔ قدرت۔ ربوبیت۔ خلق یعنے صنعت۔ حکمت۔ حکومت۔ رحم۔ مالکیت۔ تکلّم۔ اب میں ثابت کرتا ہوں کہ انسان کی ان صفات کے علاوہ بھی دُنیا میں یہ تمام صفات پائی جاتی ہیں۔

(۲۸) سب سے پہلے مَیں صفتِ خلق یعنے صفتِ صُنعت کو لیتا ہوں۔ کیونکہ سب سے پہلے صفتِ صنعت کا ہی ظہور دُنیا میں ہوا ہے اور اِسی صفتِ صُنعت سے ہی باقی تمام صفات کا علم انسان کو ہوا ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے خدا تعالےٰ نے اپنے آپ کو انسان پر ظاہر کرنے کے لئے مادہ کو بنایا پھر مادہ سے باقی تمام چیزیں بنائیں۔ پھر انسان کو پیدا کیا اور اپنے پہچاننے کے لئے جس جس چیز کی اُسے ضرورت تھی اُسے عطا فرمائی۔ تب دُنیا کی اشیاء کی بناوٹ پر غور کر کے انسان کو خدا تعالےٰ کی تمام صفات کا علم ہوا۔ یہاں تک کہ صفتِ تکلّم کا علم بھی انسان کو صفتِ صُنعت کے ذریعہ سے ہوا۔ مَیں آگے چل کر صفتِ تکلّم کے ثبوت میں اِس بات کا انشاء اللہ ثبوت دُوں گا کہ خدا تعالےٰ مصنوعات کے ذریعہ سے انسان کے ساتھ کلام کرتا ہے۔ اب مَیں ذیل میں ثابت کرتا ہوں کہ انسان کی اور جانوروں کی صفتِ صنعت کے سوا بھی دُنیا میں صفتِ صنعت پائی جاتی ہے۔

صفتِ صنعت کا ثبوت

انسان صانع ہے۔ یعنے اُس میں صفتِ صنعت پائی جاتی ہے۔ چنانچہ میز۔ کُرسی۔ چاکو۔ قینچی۔ کپڑا۔ دیاسلائی۔ موٹر۔ ہوائی جہاز وغیرہ اُس کی مصنوعات ہیں لیکن درخت اور اُس کے پتّے اور اُسکے پھول اور اُس کے پھل انسان نہیں بناتا۔ جانوروں کو انسان نہیں بناتا۔ اپنا جسم انسان نہیں بناتا۔ اپنے دانت نہیں بناتا۔ اپنے ناخن نہیں بناتا۔ اپنے بال نہیں بناتا۔ ماں کے پیٹ میں بچے کو انسان نہیں بناتا۔ لیکن یہ چیزیں بن ضرور رہی ہیں۔ ہمارے سامنے بن رہی ہیں۔ لہذا ثابت ہوا کہ انسان کی صفتِ صنعت کے سوا بھی دُنیا میں صفتِ صنعت پائی جاتی ہے۔ اور چونکہ بحکمِ علوم متعارفہ مسلّمہ صفت بغیر موصوف کے نہیں ہو سکتی لہذا ثابت ہوا کہ دُنیا میں انسان کے سوا بھی کوئی صانع ہے۔ اور چونکہ یہ صفت دُنیا میں غیر محدود طور پر پائی جاتی ہے اور سارے جہان پر حاوی ہے یعنے دُنیا کی کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو اُس کی بنائی ہوئی نہ ہو یہاں تک کہ خود انسان بھی اُسی کا پیدا کردہ ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ وہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

صانع یعنے اِس صفت کا موصوف وہی ہستی ہے جسے مذہب اسلام نے پیش کیا ہے۔ اور جس کی نسبت قرآن شریف میں ہے :- خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ اور جس کا نام اُس نے اَللّٰه بتایا ہے۔ اور جسے اُردو اور فارسی میں خدا کہتے ہیں۔ یہی وہ ہستی ہے جس کا ثابت کرنا اِس مضمون کا موضوع ہے۔

(۲۹) واضح ہو کہ مصنوع کو دیکھکر صانع کے ہونے پر یقین ہو جانا عقل اور فلسفہ کے خلاف نہیں۔ کیا کوئی عقلمند کسی سِلے ہوئے کپڑے کو یا لکھی ہوئی کتاب کو دیکھکر شک کر سکتا ہے کہ اِس کپڑے کو کسی مُردے نے سِیا ہے یا اِس کتاب کو کسی مُردے نے لکھا ہے جو نہ زندگی رکھتا ہے نہ ارادہ رکھتا ہے نہ قُدرت رکھتا ہے ؟ ہرگز نہیں۔ پس دُنیا کی مصنوعات کو دیکھکر ہر شخص بشرطیکہ وہ پاگل نہ ہو یہی یقین کرے گا کہ اِن کا بنانے والا حَیٌّ اور قادر اور صاحب ارادہ اور صاحبِ علم ہے۔ ایسے پاگلوں کا جواب جو سِلے ہوئے کپڑے کی نسبت کہیں کہ اسے مُردے نے سِیا ہے یعنے یہ خود بخود سِل گیا ہے اور کسی نے اِس کو سِیا نہیں اِس مضمون کے آخر میں آتا ہے۔ انشاء اللہ۔

(۳۰) یہ بھی واضح ہو کہ انسان کے سوا بھی اِس دُنیا میں صانع پائے جاتے ہیں۔ مثلاً بیا گھونسلا بناتا ہے۔ شہد کی مکھی شہد اور موم بناتی ہے۔ زرد بھڑ مصری بناتی ہے۔ سیپ کا کیڑا موتی بناتا ہے مُونگے کا کیڑا مُونگا بناتا ہے۔ لاکھ کا کیڑا لاکھ بناتا ہے۔ ریشم کا کیڑا ریشم بناتا ہے۔ اور انسان بھی جیسا کہ معلوم ہے بہت کچھ بناتا ہے لیکن یہ تمام صانع چونکہ خود مصنوع ہیں۔ اُن کے جسم بھی مصنوع ہیں۔ اُن کے اعضاء ظاہری اور باطنی بھی مصنوع ہیں۔ اُن کی ظاہری اور باطنی تمام طاقتیں بھی مصنوع ہیں۔ اور یہ سب محض مشینیں ہیں جن کا چلانے والا کوئی اور ہے۔ لہذا یہ حقیقی صانع نہیں کہلا سکتے اور اُس خدا کی برابری اور شریک ہونے کا دعوےٰ نہیں کر سکتے جو اِن کا خالق ہے اور ہر آن اِن کی پرورش کر رہا ہے اور اِن سب کا قیوم یعنے اِن کو قائم رکھنے والا ہے۔ اور جو اپنی صفتِ صُنعت میں غیر محدود ہے۔ اس کے علاوہ یہ تمام جانور اپنی تمام عمر میں ایک دو مقررہ چیزیں ہی بناتے ہیں کوئی نئی چیز نہیں بناتے جس سے اُن کا اپنی صنعتوں میں محدود ہونا ظاہر ہے۔ اور یہی محدود ہونا اُنکے مصنوع اور مخلوق ہونے کی علامت ہے۔

(۳۱) اگرچہ انسان بھی بوجہ مخلوق ہونے کے محدود ہے اس لئے اس کی صُنعتیں بھی محدود ہیں لیکن بوجہ اشرف المخلوقات ہونے اور بوجہ خدا تعالےٰ کا مظہر ہونے اور اُس کے ساتھ کسی قدر مشابہت رکھنے کے دوسرے جانوروں کی نسبت وہ بہت زیادہ اور طرح طرح کی چیزیں بناتا ہے بلکہ جسقدر چیزیں بنا چکا ہے اُن کے علاوہ بھی مزید ایجادیں کرنے کا مدعی ہے۔ کیونکہ خدا تعالےٰ نے انسان کو

Digitized by Khilafat Library Rabwah

دوسرے جانوروں پر عقل اور نطق اور نتائج نکالنے اور ایجاد کرنے کی فضیلت عطا فرمائی ہے۔ دراصل خدا تعالےٰ نے انسان کو بوجہ اپنا مظہر ہونے اور بموجب حدیث قدسی کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ اٰدَمَ اپنی ہستی ثابت کرنے کے لئے ایک نمونہ بنایا ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ نمونہ یعنے ماڈل بہت چھوٹا ہوتا ہے اور مقصود اصلی کو پورا نہیں کرسکتا۔ جیسے لاہور کے عجائب خانہ میں جو بادشاہی مسجد کا ایک ماڈل گز ڈیڑھ گز کے قریب لمبا چوڑا رکھا ہوا ہے اُس میں جُمعہ اور عید کی نماز نہیں پڑھی جاسکتی۔ البتہ اُس کو دیکھنے والا شاہی مسجد کو پہچان سکتا ہے۔ یہی صورت انسان کی اور خدا تعالےٰ کی ہے کہ انسان انسان کو دیکھکر خدا تعالےٰ کو پہچان سکتا ہے۔

(۳۲) مندرجہ بالا فضیلت کے سوا جو انسان کو جانوروں پر ہے خدا تعالےٰ نے انسان کو ایک خاص فضیلت بھی عطا فرمائی ہے جو اور کسی جانور کو نہیں۔ وہ یہ کہ انسان اگرچہ ازلی نہیں کیونکہ مخلوق ہے اور حادث ہے لیکن ابدی ضرور ہے۔ چنانچہ امام غزالیؒ نے اپنی کتاب کیمیائے سعادت کے پہلے صفحہ میں ہی لکھا ہے کہ:۔ "انسان اگرچہ ازلی نیست امّا ابدی ہست"۔ خدا تعالےٰ نے ابدی ہونے کی صفت بھی انسان میں حدیث قدسی مندرجہ بالا کو پورا کرنے کے لئے ہی رکھی ہے۔ تفصیل اِس اجمال کی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی باقی صفات تو اِسی دُنیا میں انسان کو نظر آجاتی ہیں لیکن خدا تعالےٰ کا ابدی ہونا انسان کو اس دُنیا میں نظر نہیں آسکتا۔ کیونکہ دُنیا میں یہ ہمیشہ نہیں رہتا۔ اِس کے معلوم ہونے کی یہی صورت ہے کہ جبکہ انسان بھی ابدی ہو اور خدا تعالےٰ کے ساتھ ساتھ چلتا رہے۔ اگر فنا ہوگیا تو حدیث مندرجہ بالا کا مدعا پُورا نہ ہوگا کیونکہ اِس حدیث میں ہے کہ خدا تعالےٰ نے انسان کو اس لئے پیدا کیا کہ خدا تعالےٰ پہچانا جائے۔ پس جبکہ خدا تعالےٰ کی ننانویں[۹۹] صفات میں سے ایک صفت بھی پوشیدہ رہی تو ظاہر ہے کہ خدا تعالےٰ کو کامل طور پر انسان نے نہ پہچانا۔ اور نہ انسان کو ہی اپنے پیدا ہونے کا کچھ فائدہ حاصل ہوا۔ عدم سے آیا اور عدم میں چلا گیا۔ درمیانی زمانہ کا ہونا نہ ہونا برابر ہوا۔ اور جیسا کہ اِس مضمون کے ابتدائی اوراق میں ثابت کیا گیا انسان کی حقیقی خوشی تو اِسی میں ہے کہ اُسے ابدی اور دائمی جنّت ملے۔ لیکن اگر اُسے دائمی جنّت اور دائمی خوشی نہ ملی تو اُسے اپنے پیدا ہونے کا کیا فائدہ ہوا۔ چندروزہ جنّت تو اس دُنیا میں دہریوں اور لامذہبوں کو بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ پھر ایمان لانے کا کیا فائدہ ہوا اور انبیاءؑ کے آنے کا کیا فائدہ ہوا اور مذہب کا کیا فائدہ ہوا۔ غرض ازروئے مذہب اسلام و فطرتِ انسانی انسان کا ابدی ہونا ضروری ہے۔ اِسی لئے قرآن شریف میں ہے وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی اور عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ۔ لہٰذا مرنے کا نتیجہ معدوم ہونا نہیں بلکہ صرف نقل مکان ہے۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

(۳۳) ذیل میں مَیں خدا تعالیٰ کی چند اور صنعتیں سعدیؒ کے اشعار میں پیش کر کے صفتِ صنعت کے بیان کو ختم کرتا ہوں کیونکہ غیر محدود صنعتوں کا شمار کرنا انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ سعدیؒ کے اشعار حسب ذیل ہیں جو نہایت مزیدار ہیں ؎

قدیمے نکو کار نیکی پسند | بکلکِ قضا در رَحِم نقشبند
زابر افگند قطرۂ سُوئے یم | زصُلب آورد نطفۂ در شکم
ازاں قطرہ لولوئے لالا کند | وزیں صورتے سروِ بالا کند
دہد نطفہ را صورتے چوں پری | کہ کردست برآب صورتگری
نگارندۂ کودک اندر شکم | نویسندۂ عمر و روزیست ہم
زمیں از تپ لرزہ آمد ستوہ | فرو کوفت بر دامنش میخ کوہ
زمشرق بہ مغرب مہ و آفتاب | رواں کرد و گسترد گیتی بآب

صفتِ ربوبیّت کا ثبوت

(۳۴) دوسرے نمبر پر مَیں صفتِ ربوبیّت کو لیتا ہوں۔ کیونکہ جس آن صفتِ خلق اپنا کام کرتی ہے اُسی آن صفتِ ربوبیّت بھی اپنا کام کرتی ہے۔ وجہ یہ کہ کوئی مخلوق اور مصنوع چیز بغیر ربوبیّت کے قائم نہیں رہ سکتی۔ پس اِن دونوں صفات کے ظہور میں کوئی پس و پیش نہیں۔ دونوں کے ظہور کا وقت ایک ہی ہے۔ اب مَیں ذیل میں ثابت کرتا ہوں کہ انسان کی اور جانوروں کی صفتِ ربوبیّت کے سوا بھی دُنیا میں صفتِ ربوبیّت پائی جاتی ہے۔

(۳۵) انسان ربّ ہے کیونکہ اپنی اولاد کی پرورش کرتا ہے اور جس جس چیز کی اُسے ضرورت ہوتی ہے اُنہیں دیتا ہے۔ غرض انسان میں صفتِ ربوبیّت پائی جاتی ہے۔ اب اگر دُنیا میں انسان کی صفتِ ربوبیّت کے سوا بھی صفتِ ربوبیّت پائی جائے تو یقین کرنا ہوگا کہ دُنیا میں انسان کے سوا بھی ایک ربّ ہے۔ اور یہ یقین اس لئے کرنا ہوگا کہ بحکم علوم متعارفہ مسلّمہ صفت بغیر موصوف کے نہیں ہو سکتی۔ اور اگر دُنیا میں یہ صفت غیر محدود طور پر پائی جائے تو اِس صفت کا موصوف وہی ہستی ہوگی جسے مذہب اسلام نے پیش کیا ہے۔ اب مَیں ذیل میں اُس ہستی کے ربّ ہونیکا ثبوت دیتا ہوں۔

پہلا ثبوت:۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو ماں کی چھاتیوں میں دُودھ پیدا ہو جاتا ہے اِس سے پہلے نہیں ہوتا۔ اِس دُودھ کو ماں نہیں بناتی بلکہ وہی بناتا ہے جس نے ماں کے پیٹ میں بچے کو بنایا اور جو

Digitized by Khilafat Library Rabwah

جانتا ہے کہ بچّے کو پیدا ہوتے ہی دُودھ جیسی غذا کی ضرورت ہوگی۔ پس ثابت ہُوا کہ وہ صانع جس نے ماں کے پیٹ میں بچّے کو بنایا رب بھی ہے۔ یہ بھی واضح ہو کہ ماں کے پیٹ میں بھی وہ صانع اُس بچّے کی ربوبیّت کرتا تھا۔ تشریح اسکی یوں ہے کہ حمل ہونے کے بعد رحم کی دیوار کیساتھ بچّے کیلئے غذا کا ایک برتن چپکا دیا جاتا ہے جسے آنول کہتے ہیں۔ اِس آنول سے ایک نال نکلتی ہے جس کا دوسرا سِرا بچّے کی ناف میں لگا دیا جاتا ہے۔ اس نال میں دو نالیاں ہوتی ہیں۔ ایک نالی سے تازہ خون آنول میں سے ہو کر بچّے کے پیٹ میں جاتا ہے اور بچّے کے تمام بدن میں رگوں کے ذریعہ سے گردش کر کے اور غذا کا حصّہ پہنچا کر دوسری نالی کے ذریعہ سے واپس آنول میں سے ہو کر ماں کے خون کے اثر سے صاف ہوتا ہے۔ نَو ماہ تک یہ فعل یا یوں کہو کہ یہ ربوبیّت ہوتی رہتی ہے۔ اور یہ ربوبیّت بجائے دودھ کے خون سے ہوتی ہے۔ اور ماں کے پیٹ کے اندر ہوتی ہے۔ غرض بچّے کی ربوبیّت کرنیوالا انسان کے سوا کوئی اور ہے۔ اور یہ وہی ہے جسے خدا کہتے ہیں۔

دوسرا ثبوت:۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دُنیا میں درختوں کے ذریعہ سے جانوروں کی اور انسانوں کی پرورش ہو رہی ہے۔ درختوں کو جانوروں کے مناسب حال بھی پھل لگتے ہیں اور انسانوں کے مناسب حال بھی پھل لگتے ہیں۔ اِن پھلوں کو حلوائے بے دُود کہتے ہیں۔ اِنکو بے دُود اسلئے کہتے ہیں کہ یہ آگ پر نہیں پکائے جاتے اور آگ میں دُھواں ہوتا ہے۔ تمام میووں میں سے کیلے کو حلوائے بے دُود کہنا زیادہ مناسب ہے کیونکہ یہ حلوے سے مشابہت رکھتا ہے۔ اِسکے علاوہ آگ پر پکا کر کھانے کے لئے بھی طرح طرح کے غلّے اور ترکاریاں اور دوسری چیزیں درختوں کے ذریعہ سے پیدا ہوتی ہیں۔

تیسرا ثبوت:۔ درختوں کے علاوہ اور جس قدر بھی چیزیں دُنیا میں ہیں اُن سب کے ذریعہ سے جانداروں کی پرورش ہو رہی ہے۔ مثلاً سُورج۔ چاند۔ زمین۔ ہوا۔ پانی وغیرہ۔ اور یہ ظاہر ہے کہ یہ چیزیں رب نہیں کیونکہ نہ اِن میں جان ہے نہ سمجھ ہے نہ شعور ہے نہ مرضی ہے نہ ارادہ ہے۔ رب وہی ہو سکتا ہے جو اپنے ارادے اور مرضی سے دوسرے کی پرورش کرے۔ چنانچہ دُنیا میں جو ربوبیّت ہو رہی ہے اُسمیں ارادہ اور مرضی پائی جاتی ہے ثبوت یہ ہے کہ جس طرح کا کوئی جانور ہوتا ہے اُسکو اُسی طرح کا رزق پہنچتا ہے۔ جسکی خوراک گوشت ہے اُسے گوشت اور جسکی خوراک مچھلی ہے اُسے مچھلی اور جسکی خوراک شکر ہے اُسے شکر۔ پھر جو چل پھر نہیں سکتے تو اُنکو کمانا بھی نہیں پڑتا۔ بلکہ اُن کا رزق آپ اُن تک دَوڑ کر آتا ہے۔ چنانچہ درختوں کو دیکھو چل پھر نہیں سکتے لیکن بذریعہ کشش انابیب شعری درخت کے ہر ایک پتّے کو پانی پہنچتا ہے اور ہوا کاربانک ایسڈ گیس کو لیکر خود اُنکے پاس آتی ہے۔ بچّے کو ماں کی چھاتیوں سے دُودھ ملتا ہے اور جسقدر پتلے پن اور مٹھاس کی ضرورت ہوتی ہے اُس میں ہوتا ہے۔ اِن تمام مثالوں سے ظاہر ہے کہ تمام جانداروں کا پالنے والا ارادہ اور مرضی رکھتا ہے اور اُنکی ربوبیّت میں اپنی مرضی اور ارادہ سے کام لیتا ہے۔ غرض دُنیا میں انسان

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کی نسبت زیادہ اور بہت بڑے پیمانہ پر ہم صفتِ ربوبیت کو کام کرتا دیکھ رہے ہیں۔ اور اس صفت کا سوائے اُس ہستی کے اور کوئی موصوف نہیں ہو سکتا جسے مذہب اسلام نے پیش کیا ہے۔ ورنہ ثابت کیا جائے کہ اُسکے سوا اس عالمگیر صفت کا اور کون موصوف ہے۔ جو بھی اس عالمگیر صفت کا موصوف ہوگا اُسی کا نام مذہب اسلام نے اَللّٰہ بتایا ہے۔

صفتِ علم کا ثبوت

(۳۶) اب میں ذیل میں ثابت کرتا ہوں کہ انسان کی صفتِ علم کے سوا بھی دُنیا میں صفتِ علم پائی جاتی ہے:۔

انسان عالم ہے۔ یعنے اُس میں صفتِ علم پائی جاتی ہے۔ مثلاً وہ جانتا ہے کہ میز ایک ٹانگ پر یا دو ٹانگوں پر کھڑی نہیں رہ سکتی اسلئے وہ اُسکی تین یا چار ٹانگیں بناتا ہے۔ اور مثلاً وہ اِس بات کا علم رکھتا ہے کہ دُنیا میں سردی کا موسم گرمی کا موسم اور بارشوں کا موسم ہُوا کرتا ہے اسلئے ان سے محفوظ رہنے کیلئے مکان بناتا ہے وغیرہ وغیرہ لیکن اگر انسان کی اِس صفتِ علم کے سوا بھی دُنیا میں صفتِ علم پائی جائے تو یقین کرنا ہوگا کہ اِس صفت کا موصوف انسان کے سوا کوئی اور ہے۔ کیونکہ بحکمِ علوم متعارفہ مسلّمہ صفت بغیر موصوف کے نہیں ہو سکتی۔ اب میں ثابت کرتا ہوں کہ انسان کی صفتِ علم کے سوا بھی دُنیا میں صفتِ علم پائی جاتی ہے۔ اور چونکہ وہ صفت غیر محدود ہے لہٰذا اس صفت کا موصوف وہی ہستی ہے جو مذہبِ اسلام نے پیش کی ہے۔ ثبوت یہ ہے:۔

(۳۷) ہم دیکھتے ہیں کہ بچہ پیٹ میں بنتا ہے کیونکہ شادی سے پہلے پیٹ میں کچھ نہیں ہوتا۔ لیکن شادی کے بعد پیٹ بڑھنا شروع ہوتا ہے اور نو ماہ بعد بچہ پیدا ہو جاتا ہے۔ غرض پیٹ کے اندر نَو ماہ تک ایک صُنعت کا ہونا یقیناً ثابت ہے۔ اِس بچے کو ماں نہیں بناتی۔ باپ بھی نہیں بناتا لیکن بنتا ضرور ہے۔ بس اِسکا بنانیوالا ضرور ہونا چاہیئے کیونکہ بحکم علوم متعارفہ مسلّمہ صنتِ صنعت بغیر صانع نہیں ہو سکتی۔ اب میں ثابت کرتا ہوں کہ وہ صانع جو بچے کو بناتا ہے صفتِ علم رکھتا ہے۔ چنانچہ اُس صانع کو اِس بات کا علم ہے کہ اِس بچے کو پیدا ہونیکے بعد روشنی سے کام لینا پڑیگا اِسی لئے وہ پیٹ میں اُسکی آنکھیں بناتا ہے ورنہ آنکھیں بنانیکی کیا ضرورت تھی۔ پھر اُس صانع کو اِس بات کا علم ہے کہ سُورج زمین سے اِتنی دُور ہے اور اِتنا بڑا ہے اور اُسکی روشنی کی طاقت اِس قدر ہے تبھی تو وہ بچے کی آنکھیں اُس اندازے کی بناتا ہے کہ سورج کی روشنی اور آنکھوں کی قوتِ بینائی میں پُوری پُوری مطابقت ہو۔ آنکھیں نہ اتنی بڑی اور نہ اتنی زیادہ طاقت کی ہوں کہ سُورج کی روشنی اُنہیں کافی نہ ہو سکے۔ اور نہ اتنی چھوٹی اور کم طاقت کی ہوں کہ روشنی کی زیادتی کی وجہ سے چُندھیا جائیں اور کچھ نظر ہی نہ آئے۔ غرض پیٹ میں بچے کے بنانیوالا آنکھوں کی حقیقت کو بھی پُوری طرح جانتا ہے اور سورج کی حقیقت کو بھی پُوری طرح جانتا ہے۔ اور آنکھوں کی بناوٹ کا سُورج کی بناوٹ سے موافق ہونا اسکی صفتِ علم کو ظاہر کرتا ہے۔ پس جبکہ صفتِ علم پائی گئی تو بحکم علوم متعارفہ مسلّمہ اس صفت کے موصوف کا ہونا بھی یقینی ہے اور وہ موصوف وہی ہو سکتا ہے جسکی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

صفتِ علم غیر محدود ہو۔ مذہب اسلام نے ایسی ہی ہستی پیش کی ہے۔ پھر اُس صانع کو اِس بات کا علم ہے کہ پیدا ہونیکے بعد بچے کو آواز سُننے کیلئے کانوں کی ضرورت ہوگی۔ تبھی تو وہ بچے کے کان بناتا ہے۔ ورنہ کانوں کے بنانیکی کیا ضرورت تھی۔ پھر اُس صانع کو اِس بات کا علم ہے کہ آواز ہوا کی لہروں کے ذریعہ سے کان میں پہنچا کرتی ہے تبھی تو وہ کانوں کے پردے ایسے بناتا ہے کہ کان آواز کو سُن سکیں۔ پھر بچے کے صانع کو اس بات کا علم ہے کہ اس بچے کو چل پھر کر اپنا رزق حاصل کرنا ہوگا اسی لئے وہ اُس بچے کی ٹانگیں اور پیر بناتا ہے۔ پھر اُس بچے کے صانع کو اِس بات کا علم ہے کہ پیدا ہونے کے بعد اِس بچے کو کام کرنے اور کھانا کھانے کیلئے ہاتھوں کی ضرورت ہوگی تبھی تو وہ اُس بچے کے ہاتھ بناتا ہے۔ پھر اُس بچے کے صانع کو اِس بات کا بھی علم ہے کہ زندگی کا مدار ہوا پر ہے اِسی لئے وہ سانس لینے کیلئے بچے کی ناک اور پھیپھڑے بناتا ہے۔ پھر اُس بچے کے صانع کو اِس بات کا علم ہے کہ پیدا ہونے کے بعد دُودھ پینے اور کھانا کھانے اور پانی پینے اور باتیں کرنیکی بھی ضرورت ہوگی اسلئے وہ پیٹ کے اندر ہی بچے کی زبان اور ہونٹ اور حلق اور حلق کے پردے اور دانت اور مسوڑے اور تھوک کے پیدا ہونے کیلئے مُنہ میں کئی غدود اور تالُو اور جبڑے غرض مُنہ کے اندر کی تمام وہ چیزیں جنکی بچے کو بعد پیدا ہونیکے ضرورت پڑیگی بناتا ہے۔ پھر اُس بچے کے صانع کو اِس بات کا علم ہے کہ پیدا ہونیکے بعد اِس بچے کو پاخانہ پھرنے اور پیشاب کرنیکی ضرورت ہوگی تبھی تو وہ بچے کے پیدا ہونیسے پہلے پیٹ کے اندر ہی بچے کے پاخانہ اور پیشاب کے سُوراخ بناتا ہے ورنہ اِن سوراخوں کے بنانیکی کیا ضرورت تھی۔

(۳۸) غرض اگر صرف بچے کے جسم کی بناوٹ کے متعلق ہی اُس صانع کے علم کی وسعت کو دیکھا جائے تو احاطہ میں نہیں آسکتی۔ چہ جائیکہ دُنیا کی دوسری چیزوں کے متعلق اُسکے علم کا اندازہ کیا جائے۔ پس جبکہ ثابت ہُوا کہ بچے کے صانع کا علم غیر محدود ہے تو معلوم ہُوا کہ یہ صانع وہی خدا ہے جو اِس جہان کا صانع ہے اور جسے مذہب اسلام نے علیم کے نام سے پیش کیا ہے۔ جس کے معنے ہیں غیر محدود طور پر جاننے والا۔

(۳۹) اِسی طرح اگر ایک بہت بڑے درخت کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اُسکے بنانیوالے کو اِس بات کا علم تھا کہ دُنیا میں آندھیاں بھی چلا کرتی ہیں لہذا اُس نے اُسکی جڑوں کو زمین کے اندر چاروں طرف دُور دُور تک پھیلا دیا تاکہ آندھی کے صدمہ سے گر نہ جائے اور آندھی کا مقابلہ کرے۔ اور اسے یہ بھی علم تھا کہ زمین کے نچلے طبقہ میں پانی ہے پس بعض جڑوں کو اُس پانی تک پہنچا دیا تاکہ درخت وہاں سے پانی حاصل کرسکے۔ غرض دُنیا کی جس چیز کو بھی غور سے دیکھا جائے تو اُس میں خدا تعالٰی کی صفتِ علم جلوہ نما ہے۔ اور چونکہ اِس صفتِ علم کا سلسلہ لا انتہا ہے لہذا ثابت ہُوا کہ اِس صفت کے موصوف کا علم بھی غیر محدود ہے اور یہ وہی موصوف ہے جسے قرآن شریف نے لفظِ علیم کے ساتھ پیش کیا ہے۔ یعنے بہت زیادہ جاننے والا۔

اب مَیں صفتِ قُدرت کو لیتا ہوں :۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

صفتِ قدرت کا ثبوت

انسان قادر ہے۔ موٹر بنانے کیلئے جس جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے اُسے مہیا کرتا ہے۔ مثلاً لوہا۔ لکڑی۔ ربڑ تیل۔ کپڑا وغیرہ۔ اگر قادر نہ ہوتا تو یہ چیزیں مہیا نہ کرسکتا لیکن اگر انسان کی اس صفتِ قدرت کے سوا بھی دُنیا میں صفتِ قدرت پائی جائے تو یقین کرنا ہوگا کہ اس صفت کا کوئی موصوف ضرور ہے کیونکہ بحکم علوم متعارفہ مسلمہ صفت بغیر موصوف کے نہیں ہوسکتی۔ اب مَیں ثابت کرتا ہوں کہ انسان اور جانوروں کی صفتِ قدرت کے سوا بھی دُنیا میں صفتِ قدرت پائی جاتی ہے۔

واضح ہو کہ درخت کے بنانے کیلئے کاربن۔ آکسیجن۔ نائٹروجن۔ ہیڈروجن۔ سوڈیم۔ پوٹاسیم وغیرہ کی ضرورت تھی۔ اِسکے بنانیوالے نے یہ سب چیزیں مہیا کیں۔ اگر قادر نہ ہوتا تو وہ یہ چیزیں مہیا نہ کرسکتا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ درخت کا بنانیوالا انسان نہیں۔ درخت کے علاوہ جس چیز کو بھی دیکھا جائے تو اُس میں صفتِ قُدرت کام کرتی ہوئی نظر آرہی ہے۔ پس اِس صفتِ قُدرت کا موصوف ضرور ہونا چاہئیے۔ کیونکہ صفت بغیر موصوف کے نہیں ہُوا کرتی۔ اور چونکہ صفتِ قُدرت غیر محدود طور پر دُنیا میں پائی جاتی ہے لہذا اس کا موصوف وہی ہستی ہے جسے مذہب اسلام نے لفظ قدیر سے پیش کیا ہے جسکے معنے ہیں غیر محدود طور پر قادر۔ اور جس کا نام مذہب اسلام نے اَللّٰہ بتایا ہے۔ اَللّٰہُ اَکْبَرْ کا بھی یہی مطلب ہے۔ کہ خدا تعالیٰ اپنی تمام صفات میں غیر محدود ہے۔ اب مَیں صفتِ بصر کو لیتا ہوں اور ثابت کرتا ہوں کہ انسان اور جانوروں کی صفتِ بصارت کے علاوہ بھی دُنیا میں صفتِ بصارت پائی جاتی ہے اور اس صفت کا موصوف وہی خدا ہے جسے مذہب اسلام نے پیش کیا ہے۔

صفتِ بصر کا ثبوت

انسان میں دیکھنے کی صفت ہے۔ اور پیچھے یہ ثابت کیا جاچکا ہے کہ انسان مخلوق ہے اور اس کا ایک خالق ہے اسلئے اُس نے اپنی آنکھیں اور قوتِ بینائی آپ نہیں بنائی بلکہ یہ دونوں چیزیں اُسکے خالق اور صانع نے بنائی ہیں۔ اب یہ بات یقینی ہے کہ اُسکے خالق میں بھی دیکھنے کی صفت ہے۔ دلیل اسپر یہ ہے کہ اگر اُسکا خالق دیکھنے والا نہ ہوتا اور اُسے علم نہ ہوتا کہ قوتِ بینائی کیا شے ہے اور اُسکی حقیقت کیا ہے تو وہ ہرگز انسان کی آنکھیں اور آنکھوں کے پردے اور رطوبتیں نہ بناتا اور اُسے قُوتِ بینائی نہ دے سکتا۔ پس ثابت ہُوا کہ انسان کا خالق یقیناً دیکھنے والا ہے اور یہی وہ ہستی ہے جس نے انسان کے سوا جانوروں کی بھی آنکھیں بنائیں اور اُنہیں قُوتِ بینائی عطا فرمائی کیونکہ جانوروں نے اپنی آنکھیں اور قُوتِ بینائی آپ نہیں بنائی۔ مندرجہ بالا بیان سے دُنیا میں انسان اور جانوروں کی صفتِ بصر کے علاوہ بھی صفتِ بصر کا ہونا ثابت ہوگیا اور اُس صفتِ بصر کا غیر محدود ہونا بھی ثابت ہوگیا اور اس غیر محدود صفتِ بصر کا موصوف بھی ثابت ہوگیا یہی وہ موصوف ہے جسے مذہب اسلام نے پیش کیا اور جسے خدا کہتے ہیں۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

دوسرا ثبوت:۔ اِس بات سے انکار نہیں ہو سکتا کہ کوئی چیز بغیر دیکھے نہیں بن سکتی اور اِس بات کا ثبوت پیچھے دیدیا گیا ہے کہ اِس جہان کا بنانیوالا خدا تعالیٰ ہے۔ پس ثابت ہوا کہ خدا تعالیٰ دیکھتا ہے۔ اگر وہ دیکھنے والا نہیں اور صفتِ بصارت نہیں رکھتا تو اُس نے بغیر دیکھے یہ سارا جہان اور ما فیہا کس طرح بنا لیا؟ کیا اعمیٰ اور بصیر برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ پس یقیناً ثابت ہوا کہ خدا تعالیٰ دیکھتا ہے۔

خدا تعالیٰ کی صفتِ بصارت کے غیر محدود ہونے پر ایک دلیل یہ ہے کہ جس آن خدا تعالیٰ ایک چیز ایک مقام پر بناتا ہے تو اُسی آن وہ اُس مقام سے ہزارہا میل دُور دوسری چیز بنا رہا ہوتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ خدا تعالیٰ ایک ہی آن میں سارے جہان کی چیزوں کو دیکھتا ہے لیکن انسان میں یہ بات نہیں۔ وہ جس چیز کو دیکھ رہا ہوتا ہے تو اُسے اُس چیز کے سوا دوسری کوئی چیز نظر نہیں آتی۔

ایک اور فرق خدا تعالیٰ کی صفتِ بصارت اور انسان کی صفتِ بصارت میں یہ ہے کہ انسان تو آنکھوں کے ذریعہ اشیاء کے صرف ظاہر کو دیکھتا ہے لیکن خدا تعالیٰ اشیاء کے ظاہر اور باطن دونوں کو ایک ہی آن میں دیکھتا ہے چنانچہ بچہ جو ماں کے پیٹ کے اندر بنتا ہے انسان کو نظر نہیں آتا اور اُسے صرف ماں کا پیٹ ہی نظر آتا ہے لیکن خدا تعالیٰ ایک ہی آن میں ماں کے پیٹ کو بھی دیکھتا ہے اور پیٹ کے اندر فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ بچے کو بھی دیکھتا ہے۔ جبھی تو وہ اُسے پیٹ کے اندر بناتا ہے۔ اب میں صفتِ سمع کو لیتا ہوں:۔

صفتِ سمع کا ثبوت

انسان میں سُننے کی صفت ہے اور پیچھے یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ انسان مخلوق ہے اور اُس کا ایک خالق ہے۔ اب یہ بات ضروری ہے کہ اُسکے خالق میں بھی سُننے کی صفت ہو کیونکہ اگر وہ سُننے والا نہ ہوتا اور اُسے قوتِ سمع کی حقیقت کا علم نہ ہوتا یعنے اُسے معلوم نہ ہوتا کہ سُننا کیا چیز ہے اور آواز کس طرح سُنائی دیتی ہے تو وہ انسان کے کان کس طرح بناتا اور انسان کو سُننے کی قوت کس طرح دیتا۔ پس ثابت ہوا کہ انسان کا خالق یقیناً سُننے والا ہے اور یہی وہ خالق ہے جسے مذہب اسلام نے پیش کیا ہے اور یہی وہ ہستی ہے جسے خدا کہتے ہیں۔

دُنیا میں ہر جاندار کی آواز الگ الگ ہوتی ہے کسی کی موٹی کسی کی باریک۔ کسی کی میٹھی اور سریلی اور کسی کی سمع خراش۔ انسانوں میں بعض کا لحن داؤدی ہے اور بعض کی آواز اِنَّ اَنْکَرَ الْاَصْوَاتِ کی مصداق۔ بعض پرندوں کی آواز نہایت لذیذ ہوتی ہے اور بعض کی کرخت۔ اِس اختلاف سے ثابت ہوا کہ خدا تعالیٰ کو جو تمام جانداروں کا خالق ہے آواز کی کیفیت کا پورا پورا علم ہے جبھی تو اُس نے ہر جاندار کی آواز الگ الگ بنائی۔ اگر اُسے آواز کی حقیقت اور کیفیت کا علم نہ ہوتا تو وہ کس طرح ہر ایک جاندار کی آواز کو الگ الگ بناتا۔ حلق کے پردوں کی بناوٹ سے ظاہر ہے کہ جس طرح ستار بجانیوالا ستار کی ہر ایک تار کو ہلا ہلا کر اُسکی تناوٹ کو اپنی مرضی کے مطابق کر لیتا ہے اِسی طرح خدا تعالیٰ نے ہر ایک جاندار کے حلق کے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

پردوں کی بناوٹ اور تناوٹ کو اپنی مرضی کے مطابق رکھا ہے تاکہ اُنمیں سے ویسی ہی آواز نکلے جیسی کہ وہ چاہتا ہے۔ اور یہ کام بغیر آواز کو سُننے اور اُس کی حقیقت اور کیفیت کو جاننے کے ناممکن ہے۔ پس معلوم ہؤا کہ خدا تعالیٰ انسانوں کی اور جانوروں کی آواز کو سُنتا ہے اور آواز کی حقیقت اور کیفیت کو کامل طور پر جانتا ہے۔ کیونکہ وہ اِس جہان کا اور اس جہان کی ہر ایک چیز کا خالق ہے جیسا کہ پیچھے صفتِ صنعت کے بیان میں ثابت کیا گیا اسلئے وہ انسانوں اور جانوروں کی آواز کے سوا دوسری ہر قسم کی آواز کو بھی سُنتا ہے اور اسی لئے قرآن شریف نے اُسے سمیع کے نام سے پیش کیا ہے یعنے ایک ہی آن میں ہر قسم کی آواز کو اور ہر جگہ کی آواز کو سُننے والا۔ لہٰذا وہ غیر محدود طور پر سُننے والا ثابت ہؤا اگر انسان دُنیا کی تمام آوازوں کو ایک ہی وقت میں نہیں سُن سکتا۔

خدا تعالیٰ کے سمیع ہونیکی ایک نہایت زبردست دلیل میں صفتِ تکلّم کے ثبوت میں انشاء اللہ دوں گا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان جب خدا تعالیٰ کو پکارتا ہے اور اُس سے سوال کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اُسکے پکارنے کا جواب دیتا ہے اور اُسکے سوال کو قبول کر کے اُس کی مراد اُسے عطا فرماتا ہے جس سے خدا تعالیٰ کا سمیع ہونا کامل طور پر ثابت ہو جاتا ہے۔ اِس دعویٰ کا ثبوت بھی انشاء اللہ وہیں دیا جائے گا۔

صفتِ ارادہ اور صفتِ حکمت کا ثبوت اور گذشتہ صفات کا مزید ثبوت

سڑک پر چلتے چلتے اگر ہم کچھ بکھرے ہوئے پیسے دیکھیں تو خیال آئیگا کہ کسی راہگیر کی جیب میں سُوراخ تھا اُس میں سے نکلکر گر پڑے ہیں۔ کیونکہ اُن پیسوں کے پڑے ہونے میں ترتیب نہیں۔ لیکن بجائے بکھرے ہوئے ہونیکے اگر پیسے سولہ سولہ کی تعداد میں ڈھیریوں کی شکل میں اور ایک دائرہ کی صورت میں رکھے ہوئے ہوں تو ہرگز یہ خیال نہیں آئیگا کہ جیب میں سُوراخ تھا بلکہ یہ خیال آئیگا کہ کسی نے دانستہ اور ارادتًا ایسا کیا ہے کیونکہ ان میں ترتیب پائی جاتی ہے۔

اِس مثال سے ثابت ہؤا کہ ترتیب مرتّب کو چاہتی ہے یعنے جس چیز کی بناوٹ میں ترتیب ہوگی اُسکا مرتّب ضرور ہوگا۔ اب دُنیا کی کوئی چیز بھی لیلو اُس میں ترتیب پائی جائیگی جس کا ثبوت آگے آتا ہے انشاء اللہ۔ اور چونکہ ترتیب دینا صفت ہے اسلئے بحکمِ علومِ متعارفہ مسلّمہ کہ صفت کا بغیر موصوف کے ہونا ناممکن ہے اِس صفت کا موصوف ضرور ہونا چاہئے۔ پس ثابت ہؤا کہ اِس جہان کا ایک مرتّب ضرور ہے اور اُسی کا نام خدا ہے۔ کیونکہ موصوف بغیر نام کے نہیں ہؤا کرتا۔ اور چونکہ ترتیب دینے کا فعل بغیر علم اور قدرت اور ارادہ اور حکمت اور عقلمندی کے ناممکن ہے لہٰذا ثابت ہؤا کہ وہ مرتّب علیم بھی ہے اور قادر بھی ہے اور مرید بھی ہے اور حکیم بھی ہے اور عقلمند بھی ہے کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ عقلمندی کا کام تو ہو لیکن عقلمند کوئی نہ ہو حکمت تو پائی جاتی ہو لیکن حکیم کوئی نہ ہو۔ ارادہ تو پایا جاتا ہو لیکن مرید کوئی نہ ہو۔ قدرت تو پائی جاتی ہو لیکن قادر کوئی نہ ہو۔ علم تو پایا جاتا ہو لیکن عالم کوئی نہ ہو۔ اور چونکہ یہ تمام صفات سارے جہان کے متعلق ہیں اور اس جہان کے نہ ابتداء کا پتہ ہے اور نہ انتہاء کا لہٰذا یہ بھی ثابت ہؤا کہ یہ تمام صفات غیر محدود

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ہیں اور مذہب اسلام نے ایسی ہی ہستی پیش کی ہے جس کی صفات غیر محدود ہیں۔

اب میں بطور نمونہ دُنیا کی چند چیزیں جو انسان یا کسی جانور کی بنائی ہوئی نہیں بلکہ کسی اور ہستی کی بنائی ہوئی ہیں پیش کر کے ثابت کرتا ہوں کہ اُنکی بناوٹ میں مندرجہ بالا صفتِ علم اور صفتِ قُدرت اور صفتِ حکمت اور صفتِ ارادہ پائی جاتی ہے سب سے پہلے میں اُونٹ کو لیتا ہوں کیونکہ قرآن شریف نے منجملہ اور اشیاء کے اونٹ کو بھی پیش کیا ہے۔ پس اگر اسکی بناوٹ میں مندرجہ بالا صفات پائی جائیں تو ثابت ہو جائیگا کہ ان صفات کا کوئی موصوف ضرور ہے کیونکہ صفت بغیر موصوف کے نہیں ہو سکتی۔ اور وہ موصوف انسان اور جانور کے سوا کوئی اور ہوگا کیونکہ اونٹ کا صانع انسان اور جانور نہیں بلکہ کوئی اور ہے۔ اس بارے میں قرآن شریف کی آیت یہ ہے:۔ اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ۔ اب ذیل میں اونٹ کی بناوٹ کی تھوڑی سی تشریح کی جاتی ہے۔

اونٹ کی بناوٹ کو دیکھکر صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ جانور ارادتاً بار برداریٔ انسان کیلئے اور خاصکر ریگستانی ملکوں میں جہاں منزلوں ریت ہی ریت ہوتی ہے اور پانی اور چارہ کم ہوتا ہے سفر کرنے کیلئے بنایا گیا ہے کیونکہ منزلوں بغیر پانی پئے اور چارہ کھائے چلا جاتا ہے اور ریت میں اُسکا پیر نہیں دھنستا۔ ذیل میں ان تینوں امور کی وجہ بتائی جاتی ہے۔

بغیر پانی پئے منزلوں چلے جانیکی وجہ یہ ہے کہ اونٹ کے پیٹ میں ایک فالتو تھیلی ہوتی ہے منزل پر اونٹ اپنی پیاس بجھانے کے بعد فالتو پانی اُس تھیلی میں بھر لیتا ہے اور ریگستان کے سفر میں جب اُسے پانی نہیں ملتا تو اُس تھیلی میں سے بقدر ضرورت پانی لیکر پی لیتا ہے۔ اب صاف ظاہر ہے کہ اونٹ کے بنانیوالے کو اس بات کا علم تھا کہ ریگستان میں پانی کم ہوتا ہے اور اونٹ کو جو خاص طور پر ریگستان میں سفر کرنے کیلئے بنایا گیا ہے پانی کی ضرورت پڑیگی اسلئے اُس نے پانی کے ذخیرہ کیلئے اونٹ کے پیٹ میں ایک فالتو تھیلی بنادی تاکہ بوقت ضرورت اس تھیلی میں سے پانی لے لیا کرے۔ اسکے علاوہ اُسے یہ بھی علم تھا کہ دُنیا میں ریگستان بھی ہوتے ہیں اور ریگستانوں میں لوگوں کو سفر کرنیکی بھی ضرورت ہوگی اسلئے انکو اونٹ جیسے جانور کی ضرورت پڑیگی۔ اس تمام بیان سے اونٹ کے بنانیوالے میں صفتِ علم کے علاوہ صفتِ ارادہ اور صفتِ قُدرت کا ہونا بھی ثابت ہوا کیونکہ بغیر ارادہ اور بغیر قُدرت کے کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ اونٹ کے پیٹ میں ایک فالتو تھیلی کا ہونا بغیر ارادہ کے نہیں ہو سکتا۔ اور اگر قدرت نہ ہو تو تھیلی بن بھی نہیں سکتی۔ صفتِ ارادہ اور صفتِ قُدرت کے علاوہ صفتِ ربوبیت اور رحم اور شفقت کا ہونا بھی ثابت ہوا کیونکہ پیاس کی تکلیف کو دُور کرنے کیلئے اونٹ کے پیٹ میں پانی کی فالتو تھیلی کا بنا دینا سراسر رحم اور شفقت اور ربوبیت ہے۔ پس جبکہ صفات ثابت ہیں تو انکے موصوف کا ہونا بھی ضروری ہے۔

بغیر چارہ کھائے اونٹ کا منزلوں کو طے کرنیکی وجہ یہ ہے کہ اونٹ کی پیٹھ پر جو کوہان ہے وہ دراصل چربی کا ایک پنڈا ہے جو بطور غذا کے ذخیرہ کے ہے اور چارہ کے نہ ملنے کے وقت غذا کا کام دیتا ہے اور خود بخود پگھل کر جسم کا بَدَلِ مَا یَتَحَلَّلُ ہوتا رہتا ہے۔ یہ بھی اس بات کی علامت ہے کہ یہ جانور ریگستان میں سفر کرنے کیلئے بنایا گیا ہے کیونکہ ریگستان میں جس طرح پانی کم ملتا ہے چارہ بھی کم ملتا ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ اونٹ کے بنانیوالے کو اس بات کا علم تھا کہ ریگستان میں چونکہ چارہ کی کمی ہوتی ہے اسلئے اُس نے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ارادہ کیا کہ اونٹ کے چارہ کا ذخیرہ اونٹ کے جسم کے اندر ہی رکھدیا جائے۔ سو اُس نے فالتو چربی کوہان کی شکل میں اونٹ کی پیٹھ پر رکھدی جو چارہ نہ ملنے کے وقت غذا کا کام دیتی ہے۔ یہاں سے بھی صفتِ علم و ارادہ کے علاوہ صفتِ قُدرت و ربوبیت و رحم و شفقت کا ہونا ثابت ہوا۔ پس جبکہ صفات ثابت ہیں تو اُن کے موصوف کا ہونا بھی ضروری ہے۔

یہ فالتو چربی جو اونٹ کی پیٹھ پر ہے جسم کے کسی اور حصے میں بھی رکھی جا سکتی تھی لیکن عین پیٹھ پر کوہان کی شکل میں اس چربی کو رکھنے میں ایک خاص حکمت اور غرض اور ارادہ پایا جاتا ہے۔ وہ یہ کہ سواری کے وقت یہ کوہان دو آدمیوں کیلئے دو سیٹوں کا کام دیتا ہے۔ اسکے علاوہ محمل کو اسکے سہارے سے رسّوں کیساتھ کس دیا جاتا ہے۔ نیز دو کجاووں کے درمیان پُشتہ کا کام دیتا ہے غرض یہ کوہان سواریوں کو پھسل کر گرنے سے بچاتا ہے۔ یہاں سے بھی صفتِ علم و ارادہ و حکمت و قُدرت و ربوبیت و رحم و شفقت کا ہونا ثابت ہوا۔ پس جبکہ صفات ثابت ہیں تو اسکے موصوف کا ہونا بھی یقینی ہے کیونکہ صفت کا بغیر موصوف کے ہونا محال ہے۔

اونٹ کے پیروں کا ریت میں نہ دھنسنے کی وجہ پر اگر غور کیا جائے تو پیروں کی بناوٹ میں صاف طور پر صفتِ حکمت نظر آتی ہے۔ وہ اِس طرح کہ اونٹ کی ٹانگوں کو تو پتلا بنایا گیا ہے تاکہ اونٹ کا وزن بڑھ نہ جائے لیکن نیچے جا کر انکے سرے کو یکدم چوڑا کر دیا ہے تاکہ پیر ریت میں دھنس نہ جائیں اور اونٹ کو ریگستان میں چلتے وقت تکلیف نہ ہو کیونکہ پیر اگر چوڑے نہ ہوتے اور ٹانگوں جتنے ہی پتلے ہوتے تو ہر ہر قدم پر اونٹ کے پیر ریت میں گُھس جاتے اور بار بار اونٹ کو دھسے ہوئے پیروں کو باہر نکالنا پڑتا اور طاقت کے زیادہ خرچ ہونیسے اونٹ جلدی تھک جاتا اور منزلِ مقصود پر نہ پہنچ سکتا۔ اِن تمام باتوں کو مدنظر رکھکر اونٹ کے پیروں کو چوڑا کر دیا گیا۔

پھر اونٹ کی ٹانگوں کو لمبا بنایا گیا ہے تاکہ اونٹ لمبی لمبی ڈگیں بھرے اور ریگستان کا سفر جلد ختم ہو۔ اگر ٹانگیں چھوٹی چھوٹی مثلاً ایک ایک فٹ کی ہوتیں تو دنوں کا سفر مہینوں میں ختم ہوتا اور ریگستان کی گرمی بھی زیادہ دیر تک برداشت کرنی پڑتی لمبے قدم کا یہ بھی فائدہ ہے کہ مسافر کو ہوا خوب لگتی ہے۔ چھوٹے قدم میں ہوا کم محسوس ہوتی ہے۔ غرض ریگستانی سفر کیلئے اونٹ کی ٹانگوں کا لمبا ہونا نہایت ضروری تھا۔ مندرجہ بالا بیان سے ثابت ہوا کہ اونٹ کی ٹانگوں کی بناوٹ میں صریح طور پر صفتِ حکمت اور ارادہ اور قُدرت اور علم اور دُور اندیشی پائی جاتی ہے۔ پس جب صفت موجود ہے تو مقصود حاصل ہے کیونکہ کارآمد شے تو صفت ہی ہوتی ہے۔ بالفرض اگر موصوف ہو لیکن صفت نہ ہو تو موصوف کس کام کا؟ پس معلوم ہُوا کہ دہریئے دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جو کم علمی کی وجہ سے دہریہ ہیں دوسرے وہ جو تعصّب کی وجہ سے یا فلسفی کہلا کر بڑا بننے کے لئے دانستہ دہریئے بنے ہوئے ہیں۔ کیونکہ جب خدائی صفات دُنیا میں پائی جاتی ہیں اور نہایت آسانی سے پہچانی جا سکتی ہیں تو پھر انکارِ ذاتِ باری کے کیا معنے؟ صفت تو بغیر ذات کے نہیں ہو سکتی۔

پھر اونٹ کی گردن ملاحظہ ہو۔ چونکہ قد اونچا ہے اور جسامت بھاری اسلئے گردن کو لمبا بنایا گیا تاکہ اونٹ کھڑا کھڑا زمین پر سے دانہ اور گھاس کھا سکے اور پانی پی سکے اور اُٹھنے بیٹھنے کی تکلیف سے بچا رہے۔ گردن کو لمبا بنانے میں یہ غرض

Digitized by Khilafat Library Rabwah

بھی مدنظر ہے کہ اونٹ کھڑا کھڑا درختوں کے پتے بھی کھا سکے۔

خلاصہ یہ کہ اونٹ کی بناوٹ میں حسب ذیل صفات پائی جاتی ہیں:۔ اوّل صفتِ خلق وصنعت۔ دوم صفتِ حکمت۔ سوم صفتِ ارادہ۔ چہارم صفتِ علم۔ پنجم صفتِ قدرت۔ ششم صفتِ ربوبیت۔ ہفتم صفتِ رحم وشفقت۔ ہشتم صفتِ بصر۔ کیونکہ اونٹ کی آنکھیں بھی ہیں۔ نہم صفتِ سمع کیونکہ اونٹ کے کان بھی ہیں۔ دہم صفتِ دُور اندیشی او رانجام بینی کیونکہ صفتِ دُور اندیشی او رانجام بینی سے کام لیکر پہلے سے ہی اونٹ میں وہ تمام چیزیں رکھدی گئی ہیں جنکی سفرِ ریگستان میں اونٹ کو ضرورت پڑتی تھی۔ پس جبکہ اونٹ کی بناوٹ میں مندرجہ بالا صفات پائی جاتی ہیں تو ان صفات کے موصوف کا ہونا بھی پایا گیا کیونکہ بحکمِ علوم متعارفہ مسلّمہ صفت کا بغیر موصوف کے ہونا ناممکن اور محال ہے۔ اِسی موصوف کا نام خدا ہے۔

دوسری مثال

قطبِ شمالی میں چھ ماہ کی رات ہوتی ہے اور چھ ماہ کا دن۔ چھ ماہ تک سُورج کی روشنی وہاں نہیں پہنچتی۔ اِس چھ ماہ کے اندھیرے کو دُور کرنے کیلئے وہاں اروَرا کی روشنی ہوتی ہے۔ اروَرا کی تشریح یہ ہے کہ جب اندھیرا شروع ہونے لگتا ہے تو ایک روشنی دیوار کی شکل کی سی ظاہر ہونے لگتی ہے۔ جوں جوں تاریکی بڑھتی جاتی ہے اس دیوار کی روشنی زیادہ ہوتی جاتی ہے چھ ماہ تک یہ دیوار رہتی ہے۔ پھر جب سُورج کی روشنی پہنچنی شروع ہوتی ہے تو یہ دیوار بھی غائب ہونی شروع ہوتی ہے۔ یہانتک کہ جب سورج نکل آتا ہے تو یہ دیوار بھی نظر نہیں آتی۔ اب ظاہر ہے کہ اروَرا کی صنعت کا ایک صانع ضرور ہونا چاہیئے کیونکہ مصنوع کا بغیر صانع کے ہونا ناممکن ہے۔ وجہ یہ کہ صنعت ایک صفت ہے اور صفت بغیر موصوف کے نہیں ہوسکتی اور یہ صانع انسان یا جانور نہیں بلکہ اِن دونوں کے سوا ایک ہستی ہے جسے اِس بات کا علم ہے کہ دُنیا میں روشنی کی کہاں کہاں ضرورت ہے۔ قطبِ شمالی میں اروَرا کی روشنی کا ہونا اور کسی اَور مُلک میں نہ ہونا صاف ظاہر کرتا ہے کہ اِس روشنی کے بنانیوالے کو سارے جہان کا علم ہے اور وہ جانتا ہے کہ کِس کِس جگہ سُورج کی روشنی نہیں پہنچتی۔ نیز وہ اِس بات کی قُدرت بھی رکھتا ہے کہ سُورج کی روشنی کے سوا اور طرح سے بھی روشنی پیدا کرسکے۔ چنانچہ سُورج میں اُس نے گیسوں کو جلا کر روشنی کا انتظام کیا اور قطبِ شمالی کے ممالک میں اُس نے گیسوں کو جلانیکے بغیر ہی اروَرا کی روشنی بنائی۔ صفتِ علم اور صفتِ قدرت کے علاوہ صفتِ ارادہ بھی ثابت ہوئی۔ کیونکہ کوئی کام بغیر ارادہ کے نہیں ہُوا کرتا۔ اور ارادہ کیلئے کوئی وجہ چاہیئے۔ چنانچہ اروَرا اِس غرض کیلئے بنایا گیا تا کہ قطبِ شمالی کا اندھیرا دُور ہو۔ علم اور قُدرت اور ارادہ کے سوا صفتِ ربوبیت اور صفتِ رحم وشفقت کا ہونا بھی ثابت ہُوا کیونکہ اندھیرے کی تکلیف کو دُور کرنا رحم وشفقت کی وجہ سے ہی ہوسکتا ہے۔

اروَرا کی روشنی کوئی نئی پیدائش نہیں بلکہ جب سے یہ جہان بنا ہے تب ہی یہ روشنی قطبِ شمالی میں اپنے وقت پر ہو رہی ہے۔ یہاں سے معلوم ہُوا کہ اروَرا کا بنانیوالا اِس بات کو جانتا تھا کہ زمین کی بناوٹ اور اُسکی گردش کی وجہ سے قطبِ شمالی کے ممالک میں چھ ماہ تک سُورج کی روشنی نہیں پہنچیگی اسلئے وہاں اروَرا کی روشنی کا انتظام ہونا چاہیئے۔ کیونکہ انسان کو اِسکی ضرورت پڑیگی۔ یہاں سے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

معلوم ہوا کہ اروڑا کا بنانیوالا موجد بھی ہے اور بدیع بھی ہے۔ اب میں دُنیا کی ایک اور چیز لیکر اس کی بناوٹ سے دُنیا میں صفتِ حکمت و دانائی و علم و قدرت و ربوبیّت وغیرہ کا ہونا ثابت کرتا ہوں جو انسان کی اور حیوانات کی صفات کے علاوہ ہیں۔

تیسری مثال

قطبِ شمالی کے ملک آئس لینڈ کے اُلّو کی آنکھیں اُسکے صانع نے ایسی بنائی ہیں کہ وہ دن میں بھی دیکھتا ہے۔ یہ اسلئے کہ آئس لینڈ میں دن کئی ماہ کا ہوتا ہے۔ اگر وہاں کے اُلّو کی آنکھیں گرم ملکوں کے اُلّوؤں کی آنکھوں کی طرح ہوتیں یعنے رات کے وقت دیکھتیں اور دن میں نہ دیکھتیں تو کئی مہینے کا دن ہونیکی وجہ سے اپنی غذا کیلئے شکار کی تلاش نہ کرسکتا اور بھوکا مرجاتا۔ کیونکہ اسے اپنا شکار نظر نہ آتا۔ اگر دن چند گھنٹہ کا ہوتا تو گرم ملک کے اُلّوؤں کی طرح دن کے وقت صبر سے بیٹھا رہتا اور رات کو شکار کرتا۔ مگر کئی ماہ کا لمبا دن صبر سے نہیں گذار سکتا تھا۔ اسلئے اُسکے خالق نے اسکی آنکھوں کی بناوٹ بدل دی۔ یہاں سے ظاہر ہے کہ اسکا خالق صاحبِ علم و صاحبِ ارادہ ہے کیونکہ آئس لینڈ کے اُلّو کی ایسی آنکھیں بنانا کہ وہ دن کو بھی دیکھ سکے اسلئے ہے کہ اُسے اس بات کا علم تھا کہ آئس لینڈ کا دن کئی ماہ کا ہوتا ہے لہذا اُس نے ارادتاً وہاں کے اُلّو کی ایسی آنکھیں بنائیں کہ دن میں بھی دیکھ سکے اور اپنی غذا تلاش کرسکے تاکہ بھوکا نہ مرجائے۔ نیز اس مثال سے اُس خالق کا رب اور رحیم و کریم ہونا بھی ظاہر ہے کیونکہ اُس نے اُلّو کی پرورش کا انتظام کیا۔ اور اُس کا قادر ہونا بھی ظاہر ہے کیونکہ اگر اُسے قدرت نہ ہوتی تو وہ آئس لینڈ کے اُلّو کی ایسی آنکھیں نہ بنا سکتا۔ اب میں ذیل میں بغیر نمبر دیئے دُنیا کی چند اور چیزیں پیش کرتا ہوں جنکی تشریح سے مندرجہ بالا تمام صفات ثابت ہوتی ہیں۔ اوپر یہ بتایا جاچکا ہے کہ جب صفت موجود ہو تو اُسکا موصوف بھی اُسکے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ مثلاً ہمارے ہاتھ کو سختی محسوس ہوئی تو اب وہ سختی بغیر موصوف کے موجود نہیں ہوسکتی۔ یا تو وہ سختی لکڑی کی ہوگی یا پتھر کی یا کسی اور چیز مثلاً لوہے وغیرہ کی۔ اسی طرح اگر کسی جگہ ہم حکمت یا علم پائینگے تو وہ حکمت کسی حکیم کی ہوگی اور علم کسی عالم کا ہوگا۔ بغیر حکیم یا عالم کے حکمت یا علم کا ہونا محال ہے۔ اب میں وہ چند اشیاء پیش کرتا ہوں :-

چند اور مثالیں

ہوا میں اُڑنے والے جانوروں کے پر ہوتے ہیں چار ٹانگیں نہیں ہوتیں۔ کیونکہ اُنہیں پروں کی ضرورت ہے چار ٹانگوں کی ضرورت نہیں۔ یہ حکمت ہے۔ اُنکے پنجے ایسے ہوتے ہیں کہ درخت کی شاخوں کو اچھی طرح پکڑ سکیں۔ یہ حکمت ہے کیونکہ پرندے درخت نشیں ہوتے ہیں زمین نشیں نہیں ہوتے۔ ہڈیاں کھوکھلی ہوتی ہیں ٹھوس نہیں ہوتیں تاکہ جسم کا بوجھ زیادہ نہ ہوجائے اور ہوا میں آسانی سے اُڑ سکیں۔ یہ حکمت ہے۔ برخلاف اسکے زمین پر چلنے والے جانوروں کے پر نہیں ہوتے چار مضبوط ٹانگیں ہوتی ہیں کیونکہ اُنہیں ٹانگوں کی ضرورت ہے پروں کی ضرورت نہیں۔ اور انکی ہڈیاں گودے سے بھری قریباً ٹھوس ہوتی ہیں تاکہ زمینی حادثات کی سختی کو برداشت کرسکیں۔ پاؤں پر پنجے نہیں ہوتے بلکہ سخت سینگ کے قسم کے سُم یا کُھر ہوتے ہیں تاکہ سخت زمین اور پتھر کا مقابلہ کرسکیں۔ یہ سب علم و حکمت کے کام ہیں۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

سمندر کی تہ کے جانوروں کی آنکھیں نہیں ہوتیں۔ کیونکہ وہاں بباعث زیادہ گہرائی کے سورج کی روشنی نہیں پہنچتی اسلئے انکو آنکھوں کی ضرورت نہیں ہے۔ برعکس اسکے سمندر کے اُس حصے میں جہاں آفتاب کی روشنی پہنچتی ہے جانوروں کی آنکھیں ہوتی ہیں کیونکہ اُن کو آنکھوں کی ضرورت ہے۔ یہ سب علم اور حکمت اور ربوبیّت ہے۔

جب ہم ایک بانس کو کھڑا رکھنا چاہتے ہیں تو زمین میں ایک سُوراخ کرکے اس میں بانس کو گاڑ دیتے ہیں اس کا نام حکمت ہے کیونکہ اگر بانس کو زمین میں بغیر گاڑنے کے زمین کے اُوپر ہی کھڑا کرکے چھوڑ دیا جائے تو فوراً گر جائیگا یہی صورت درخت کو کھڑا کر سکی ہے کہ اُسے بھی زمین میں گاڑا ہوا ہے یعنے درخت کی جڑوں کو زمین کے اندر دُور دُور تک چاروں طرف پھیلا دیا ہے تاکہ درخت مضبوطی سے زمین پر کھڑا رہے۔ اور اُسے کھڑا کرنیکی اسلئے ضرورت تھی تاکہ اُسکے سایہ کے تلے لوگ دُھوپ کی تمازت سے محفوظ رہ سکیں۔ گویا کہ وہ ایک بہت بڑی چھتری ہے۔ اور تاکہ درخت بلند ہو کر کھلے طور پر ہوا سے اپنی غذا لے سکے اور تاکہ چوپائے اُسکے پھلوں کو کھا نہ جائیں اور تاکہ اُڑنے والے جانوروں کیلئے پناہ گاہ بن سکے۔ یہ سب رحم و شفقت اور علم و حکمت کے کام ہیں۔ اِن صفات کا موصوف وہی ہے جسے مذہب اسلام نے پیش کیا ہے۔

پھر درختوں کو طرح طرح کے پھل لگتے ہیں اور وہ پھل انسانوں اور جانوروں کی خوراک ہیں۔ انسان اور جانور انہیں نہایت شوق سے کھاتے ہیں۔ یہ اسلئے کہ انکے کام و دہان اور زبان اور قوتِ ذائقہ کو اِن پھلوں کے مزے سے مناسبت اور موافقت ہے۔ اب ان پھلوں میں انسان اور جانوروں کی قوتِ ذائقہ کے عین مطابق و موافق مزہ رکھنا اُسی کا کام ہو سکتا ہے جو جانوروں اور انسانوں کی قوتِ ذائقہ اور پھلوں کی لذّت کو جانتا ہو اور پھلوں کے بنانیکی قُدرت بھی رکھتا ہو پس صفتِ علم و قُدرت کے علاوہ صفتِ ارادہ اور صفتِ ربوبیّت کا ہونا بھی ثابت ہوا۔ کیونکہ ارادہ کے بغیر کوئی کام نہیں ہوا کرتا۔ اور جانوروں اور انسانوں کے لئے درختوں کو پھل لگانا صفتِ ربوبیّت کا ہی نتیجہ ہے۔ یہ تمام صفات وہی ہیں جو قرآن شریف نے اُس ہستی کی بتائی ہیں جو انسانوں اور جانوروں اور تمام جہان کی دوسری اشیاء کا خالق ہے۔ کیونکہ یہ تمام صفات دُنیا میں غیر محدود طور پر پائی جاتی ہیں لیکن انسانوں اور جانوروں میں یہ صفات محدود ہیں۔

اونٹ اور درخت اور بعض جانوروں کی بناوٹ کی کسی قدر تشریح کرنے کے بعد اب انسان کے جسم کی بناوٹ کی کسی قدر تشریح کی جاتی ہے۔ پہلے ہاتھوں کو دیکھیئے۔ بیچ کی اُنگلی بہ نسبت دوسری انگلیوں کے لمبی ہے اس کے بعد بنصر پھر خنصر پھر سبّابہ ایک دوسری سے کم۔ تاکہ بند کرتے وقت سب برابر ہو کر مُٹھی بن جائے۔ اور کسی چیز کو پکڑنے کے لئے مُٹھی کے اندر خلا رہے اور اُس پر گرفت بھی پُوری طرح ہو۔ انگوٹھا ایسے مقام پر رکھا گیا ہے جہاں سب اُنگلیوں سے اُسے مساوی نسبت ہے اور تمام اُنگلیوں پر گردش کر سکتا ہے اور ہر ایک انگلی کو کسی چیز کے پکڑنے میں مدد دے سکتا ہے۔ پھر ایک ایک انگلی میں تین تین جوڑ۔ تاکہ بوقتِ ضرورت ہاتھ کا

Digitized by Khilafat Library Rabwah

بھی بن سکے۔ طشتری بھی بن سکے۔ چپّو بھی بن سکے۔ طمانچہ بھی بن سکے۔ اور اگر دوسرا ہاتھ ملا لیا جائے تو ایک بڑا پیالہ بھی بن جائے۔ انگلیوں کے سروں پر ناخن نہ ہوتے تو ضربات کے لگنے سے زخمی ہوتی رہتیں۔ پھر ناخنوں میں نشوونما ہے۔ تاکہ جس قدر گھسیں اُسی قدر بڑھ جائیں۔

سیب نہیں کھایا جا سکتا جبتک اُسے کاٹا نہ جائے اور باریک نہ کیا جائے۔ سو اُوپر اور نیچے کے اگلے دانت کاٹنے کا کام دیتے ہیں اور پچھلے دانت یعنے ڈاڑھیں پیسنے کا۔ پس انسان کے پاس ہر وقت چاکو اور چکّی موجود ہے۔ قینچی کی بناوٹ اوپر اور نیچے کے اگلے دانتوں کے اصول پر ہے۔ کیونکہ برعکس ڈاڑھوں کے اگلے دانت آگے پیچھے ہیں۔ اگر انسان کے مُنہ میں دانت نہ ہوتے تو کسی پھل کو انسان نہ کاٹ سکتا اور نہ باریک کر کے نگل سکتا۔ اس کی غذا دُودھ یا حریرہ یا فرنی کے قوام کی طرح کی ہوتی۔ پس دُنیا میں صفتِ احسان کا ہونا بھی ثابت ہؤا۔ اور اِس صفتِ احسان کا موصوف وہی ہے جسے قرآن شریف نے پیش کیا ہے۔

فونوگراف کی ایجاد تو اب ہوئی ہے لیکن انسان کے حلق اور مُنہ کی بناوٹ میں پہلے سے ہی پُورا فونوگراف موجود ہے۔ دماغ اور حلق سلنڈر ہے جس پر الفاظ کُھدے ہوئے ہیں۔ حلق کے پردے سوئی والی ڈبیا ہے جو ہوا کو دھکے دیتے ہیں۔ حلق سے آگے مُنہ کا اگلا حصّہ جہاں تالُو اور زبان اور دانت ہیں یہ تمام خلا ہارن ہے جو حلق سے نکلی ہوئی آواز کو بڑا کر دیتا ہے۔ جسمانی طاقت فنر ہے جو مشین کو چلاتی ہے۔ پس ایڈیسن کی کاریگری سے بڑھکر خدا تعالےٰ کی کاریگری کی تعریف ہونی چاہیئے جس نے ایڈیسن سے پہلے فونوگراف بنایا اور اپنے فونوگراف میں سُننے کی صفت بھی رکھی۔ اگر انسان سُننے والا نہ ہوتا تو ایڈیسن کا فونوگراف ایک بیکار چیز تھی۔ کیونکہ وہ صرف آواز نکالتا ہے سُنتا نہیں۔ انسانی فونوگراف میں آواز بھرنے والی کیف انسان کے کان ہیں۔ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ۔

آنکھ کی بناوٹ میں فوٹوگرافی کا پُورا سامان موجود ہے۔ بلکہ انسانی موجودہ فوٹوگرافی سے زیادہ۔ کیونکہ آنکھ ریٹنا کے پردہ پر ہر ایک رنگ کی تصویر کھینچ دیتی ہے لیکن انسانی کیمرہ فوٹوگرافی میں یہ بات نہیں۔ دراصل انسانی فونوگراف اور انسانی فوٹوگرافی خدا تعالےٰ کے بنائے ہوئے فونوگراف اور فوٹوگرافی کی نقل ہے۔ بلکہ کوئی چیز بھی انسان کی بنائی ہوئی دُنیا میں ایسی نہیں جس کی مثال پہلے سے دُنیا میں نہ پائی جاتی ہو۔ جیسا کہ اوپر بتایا گیا کہ قینچی کی بناوٹ انسان کے اگلے اوپر اور نیچے کے دانتوں کے اصول پر ہے۔ پس دراصل حقیقی صانع اور حقیقی مُوجد اور حقیقی حکیم خدا تعالےٰ ہی ہے۔

دیکھنے کے لئے روشنی کی ضرورت ہے۔ اور روشنی کا آنکھ کے اندر داخل ہونا ضروری ہے۔ روشنی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کثیف چیز میں داخل نہیں ہو سکتی۔ لیکن شیشے میں سے دوسری طرف گذر جاتی ہے۔ سو آنکھ کا سب سے باہر کا پردہ جسے کارنیا کہتے ہیں اسی قسم کا ہے۔ یعنے شیشے کی طرح شفاف ہے۔ اسی میں سے روشنی آنکھ کے اندر داخل ہوا کرتی ہے۔ انسان کے سارے جسم میں جلد کا کوئی حصہ بھی شیشے کی طرح شفاف نہیں۔ لیکن جس جگہ اس کے شفاف ہونے کی ضرورت تھی وہاں شفاف ہے یعنے آنکھ کا پردہ کارنیا شفاف ہے۔ پس کیا ایسا ہونا بغیر علم و قدرت و ارادہ کے ہے؟ ہرگز نہیں۔ اور کیا یہ کام دانائی اور حکمت اور کاریگری کا نہیں؟ یقیناً اور ضرور ہے۔

گلاب جیسے خوبصورت اور ملائم پھول کی ٹہنی میں کانٹے ہوتے ہیں۔ یہ کیوں؟ یہ اس لئے تاکہ اُسے کوئی حیوان کھا نہ جائے اور وہ دیر تک اپنے حسن کی بہار دکھاتا رہے اور اپنی خوشبو سے دماغوں کو معطر کرتا رہے۔ اور تاکہ صرف انسان ہی اُسے توڑ سکے۔ پس ٹہنی میں کانٹوں کا ہونا صاف طور پر ایک غرض اور صفتِ ارادہ کو ظاہر کرتا ہے۔ اور یہ مسلّم ہے کہ صفت بغیر موصوف کے نہیں ہوتی یہ موصوف انسان یا جانور تو ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ انسان یا جانور نے گلاب کے پھول کو نہیں بنایا۔ پس گلاب جیسے پھول کا بنانے والا وہی ہو سکتا ہے جو انسان کے بنانے والا ہو۔ اور جسے اس بات کا علم ہو کہ انسان قوتِ بینائی اور حسِ شامہ رکھتا ہے اور گلاب کے پھول کو دیکھنا اور سونگھنا اُس کے لئے مفید ہوگا۔ ایسی ہی ہستی کو قرآن شریف نے پیش کیا ہے جسے خدا کہتے ہیں۔

صفتِ تکلّم کا ثبوت

جس طرح ایک انسان دوسرے انسان کو پہچانتا ہے بالکل اسی طرح خدا تعالےٰ پہچانا جاتا ہے انسان اپنے فعل اور قول سے پہچانا جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح خدا تعالےٰ بھی اپنے فعل اور قول سے پہچانا جاتا ہے۔ فعل یعنے صفتِ صنعت کے ذریعہ سے خدا تعالےٰ کے ہونے کا ثبوت تو پیچھے دیا جا چکا ہے۔ اب ذیل میں صفتِ تکلّم کے ذریعہ سے خدا تعالےٰ کے ہونے کا ثبوت دیا جاتا ہے۔

قبل ازیں کہ میں اس بات کا ثبوت دوں کہ اس دُنیا میں انسان کی صفتِ تکلّم کے سوا ایک اور ہستی کی بھی صفتِ تکلّم پائی جاتی ہے۔ میں ذیل میں پہلے اس بات کو ثابت کرتا ہوں کہ قول دراصل فعل ہی ہے کوئی الگ مستقل چیز نہیں۔ بعض کیا بلکہ اکثر کا خیال ہے کہ قول اور فعل دو الگ الگ مستقل چیزیں ہیں۔ لیکن یہ خیال غلط ہے۔ بولنا دراصل فعل ہے۔ ثبوت ذیل میں ہے:۔

واضح ہو کہ اس دُنیا میں دو قسم کی چیزیں پائی جاتی ہیں۔ ایک روحانی۔ دوم مادی۔ مادہ سے بنی ہوئی اشیاء چار قسم کی ہیں۔ اوّل جمادات۔ دوم نباتات۔ سوم حیوانات۔ چہارم انسان۔ ان

Digitized by Khilafat Library Rabwah

چاروں میں سے کلام کرنا صرف انسان کے متعلق ہے۔ اِس کے بعد واضح ہو کہ فعل کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم فعل کی وہ ہے جس میں مادہ سے چیزیں بنائی جاتی ہیں جسے صنعت کہتے ہیں۔ مثلاً چاکو بنانا۔ دیاسلائی بنانا۔ برتن بنانا۔ موٹر بنانا وغیرہ۔ دوسری قسم فعل کی وہ ہے جس میں مادہ سے بنی ہوئی چیز کا استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے کاٹنا۔ اِس میں چاکو کا استعمال ہے۔ اور مثلاً دَوڑنا۔ اِس میں ٹانگوں کا استعمال ہے۔ اور مثلاً دیکھنا۔ اِس میں آنکھوں کا استعمال ہے۔ کترنا۔ اِس میں قینچی کا استعمال ہے۔ پکڑنا۔ اِس میں ہاتھوں کا استعمال ہے۔ چاکو۔ ٹانگیں۔ آنکھیں۔ قینچی۔ ہاتھ۔ یہ سب مادہ کی بنی ہوئی چیزیں ہیں۔

اب واضح ہو کہ بولتے وقت انسان فعل کی دوسری قسم یعنے مادہ سے بنی ہوئی چیزوں کا استعمال کرتا ہے۔ اور وہ چیزیں یہ ہیں:۔ ہونٹ۔ زبان۔ حلق۔ بولتے وقت انسان اپنی زبان اور ہونٹوں اور حلق کو صرف حرکت دیتا ہے۔ اُس کا صرف اِتنا ہی کام ہے۔ آواز کا پیدا کرنا اُس کا کام نہیں۔ اور نہ اُس کے اختیار میں ہے۔ بولتے وقت یہ تینوں مندرجۂ بالا اعضاء مُنہ کے اندر کی ہوا کو انسان کی مرضی اور ارادہ کے موافق حرکت اور دھکا دیتے ہیں۔ پھر مُنہ کے اندر کی ہوا مُنہ سے باہر اپنے سامنے والی ہوا کو حرکت دیتی ہے۔ پھر وہ ہوا اپنے سے اگلی ہوا کو حرکت دیتی ہے۔ پھر وہ ہوا اپنے سے اگلی ہوا کو حرکت دیتی ہے۔ اِسی طرح رفتہ رفتہ ہوا کی یہ لہریں دوسرے انسان کے کان کے سب سے پہلے پردہ کو لگتی ہیں اور اُس میں وہی اور اُسی قسم کی حرکات پیدا کرتی ہیں جو زبان اور حلق اور ہونٹوں کی حرکت سے مُنہ کے اندر کی ہوا میں پیدا ہوئی تھیں۔ پھر کان کا وہ پردہ اپنے سے اگلی ہوا کو جو ایک نلی کے اندر ہوتی ہے جس میں حلق کا ایک سُوراخ کھُلتا ہے وہی حرکتیں دیتا ہے جو خود اُس میں پیدا ہوئی ہیں۔ پھر نلکی کی وہ ہوا اپنے سے اگلے پردے کو حرکت دیتی ہے جسکی دوسری طرف رکاب D کی شکل کی ایک ہڈی لگی ہوتی ہے۔ پھر وہ پردہ اُس پانی کو وہی حرکتیں دیتا ہے جو اُس کے آگے ایک نلکی کے اندر ہوتا ہے۔ پھر وہ پانی وہی حرکتیں اُن سدہا باریک اعصابی ریشوں کو دیتا ہے جو اُس پانی کے اندر تیرتے ہیں۔ اور یہ ریشے اُس پٹھے کے سرے کے ہوتے ہیں جو دماغ سے اُس پانی کی نلکی میں آتا ہے۔ پھر یہ پٹھا اُن تمام حرکتوں کو جو اُس کے سر کے ریشوں میں پیدا ہوئی تھیں دماغ کے اُس مرکز تک پہنچاتا ہے جو سُننے کا مرکز ہے۔ وہاں رُوح اور اُس کی صفات یعنے قُوتِ حافظہ اور قُوتِ متفکرہ وغیرہ مل کر اُس حرکت کا ادراک کرتے ہیں اور اُس کی کیفیت کو پہچانتے ہیں۔ اِسی ادراک اور پہچان کا نام آواز ہے۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

غرض آواز کا پیدا کرنا انسان کے اختیار میں نہیں۔ انسان کا کام صرف یہ ہے کہ اپنی مرضی کے مطابق اپنے حلق اور زبان اور ہونٹوں کو حرکت دے۔ اور اِس کا نام فعل ہے۔ اِس فعل کے نتیجہ میں آواز پیدا ہوتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ انسان کا تکلّم دراصل انسان کا ایک فعل ہے۔ یا یوں کہو کہ انسان کے ایک باقاعدہ فعل کے نتیجہ میں ایک باقاعدہ آواز پیدا ہوتی ہے جس کا نام انسان کا بولنا ہے۔ خلاصہ یہ کہ جس طرح ٹانگوں کے استعمال کا نام چلنا یا دوڑنا رکھا گیا ہے اور ہاتھوں کے استعمال کا نام پکڑنا اور آنکھوں سے کام لینے کا نام دیکھنا اور ناک سے کام لینے کا نام سُونگھنا اور جلد سے کام لینے کا نام چھُونا اور کانوں کے استعمال کا نام سُننا رکھا گیا ہے اسی طرح حلق اور زبان اور ہونٹوں سے کام لینے کا نام بولنا رکھا گیا ہے۔

مندرجہ بالا بیان کے لکھنے کی ضرورت اِس لئے پیش آئی کہ ثبوت دینے سے پہلے بتلا دیا جائے کہ خدا تعالیٰ کس طرح بولتا ہے تاکہ ثبوت کے سمجھنے میں آسانی ہو۔ سو واضح ہو کہ خدا تعالےٰ بالکل اُسی طرح بولتا ہے جس طرح انسان بولتا ہے۔ انسان پہلے بولنے کا ارادہ کرتا ہے۔ پھر جو الفاظ اور عبارت بولنا چاہتا ہے اُس کے موافق اپنی زبان اور ہونٹوں اور حلق کو حرکت دیتا ہے۔ اِس کے نتیجہ میں جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ایک باقاعدہ آواز پیدا ہوتی ہے۔ جس کا نام کلام ہے۔ خدا تعالےٰ بھی بالکل اِسی طرح کلام کرتا ہے۔ جب وہ بولنے کا ارادہ کرتا ہے تو لوگوں میں سے ایک انسان کو چُن لیتا ہے جسے مذہب اسلام کی اصطلاح میں نبی کہتے ہیں۔ کلام کرتے وقت خدا تعالےٰ اُس نبی کی زبان اور ہونٹوں کو اپنی زبان اور ہونٹ بنا لیتا ہے۔ اُس وقت نبی کا اپنے اعضاء پر کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ اُس کے اعضاء خدا تعالےٰ کے تصرّف میں ہوتے ہیں۔ اُس وقت نبی کی زبان اور ہونٹ خدا تعالےٰ کی مرضی کے مطابق حرکت کرتے ہیں۔ نبی کی مرضی اور ارادہ کا اُس حرکت میں مطلق دخل نہیں ہوتا۔ یعنے اُس وقت وہ فعل انسان کا نہیں ہوتا بلکہ خدا تعالیٰ کا ہوتا ہے۔ اِس حالت کے جاتے رہنے پر نبی اُس کلام الٰہی کو حفظ کر لیتا ہے۔ اِس کے بعد اُس کلام کو لوگوں کو سُناتا ہے۔ سُناتے وقت یعنے اُس کلام کو دُہراتے وقت اپنی زبان اور ہونٹوں کو حرکت دینا نبی کی مرضی اور ارادہ کے ماتحت ہوتا ہے۔ اُس وقت یہ حرکت انسان کا فعل ہوتا ہے مگر کلام خدا تعالےٰ کا ہوتا ہے۔ تحقیقات مندرجۂ بالا سے معلوم ہوا کہ جس طرح انسان کا کلام کرنا دراصل فعل ہے اسی طرح خدا تعالےٰ کا کلام کرنا بھی دراصل فعل ہے۔ کیونکہ کلام کرتے وقت اُس نے نبی کی زبان اور ہونٹوں کو حرکت دی۔ اور اُس کے نتیجہ میں نبی کو خدا تعالےٰ کے کلام کا علم ہوا۔ یہ بھی واضح ہو کہ انسان کبھی بغیر آواز کے صرف اشاروں یعنے جسم کے اعضاء کی حرکات کے ساتھ کلام کرتا ہے۔ چنانچہ عربی میں ہے :- قَالَ بِیَدِہٖ یعنے اُس نے ہاتھ کے اشارہ سے کہا۔ اور قَالَ بِرَأْسِہٖ یعنے اُس نے سر کے اشارہ سے بتلایا۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اور یہ ظاہر ہے کہ اس طرح سے کلام کرنا بھی فعل ہے۔ خدا تعالےٰ بھی اکثر اسی طرح بغیر آواز کے کلام کیا کرتا ہے۔ چنانچہ خواب اور کشف اسی قسم کا کلام ہے۔ خواب یا کشف میں یا تو تحریر دکھائی جاتی ہے یا بطور استعارہ کے کوئی اور چیز دکھائی جاتی ہے۔ چنانچہ یوسف علیہ السلام کو باپ سُورج کی شکل میں اور ماں چاند کی شکل میں اور بھائی ستاروں کی شکل میں دکھائے گئے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ تحریر بھی فعل ہے اور مصنوعات کو دکھا کر استعارہ کے رنگ میں کوئی بات سمجھانا یہ بھی فعل ہے۔ غرض کلام جس قسم کا بھی ہوگا وہ فعل ہوگا۔

اب مَیں ذیل میں ثابت کرتا ہوں کہ دُنیا میں انسان کی صفتِ تکلّم کے سوا بھی ایک اور ہستی کی صفتِ تکلّم پائی جاتی ہے۔ یا یوں کہو کہ دُنیا میں انسان کے سوا ایک اور متکلّم بھی ہے اور وہ متکلّم وہ ہے جو انسان کا بھی خالق ہے۔ اور دُنیا کی ہر ایک شے کا بھی وہی خالق ہے اور وہی ربّ العالمین ہے جس کو مذہبِ اسلام نے پیش کیا ہے۔

پہلا ثبوت:۔ پیچھے صفتِ صنعت کے عنوان کے ماتحت یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اس دُنیا میں انسان کے سوا ایک ایسا صانع پایا جاتا ہے جو دُنیا کی ہر چیز کا صانع ہے اور انسان کا بھی صانع ہے۔ اور انسان کے جسمانی اعضاء اور باطنی قُوےٰ بھی اُسی صانع کے بنائے ہوئے ہیں۔ اب جبکہ انسان کی زبان اور ہونٹوں اور گلے کی بناوٹ کو دیکھا جائے تو صاف ثابت ہوتا ہے کہ انسان کا بنانے والا قوتِ تکلّم کی حقیقت اور طریقۂ تکلّم سے خوب واقف ہے اور وہ خود بھی کلام کر سکتا ہے۔ جبھی تو اُس نے انسان کو قوتِ گویائی عطا فرمائی۔ ورنہ اگر وہ بولنے کی حقیقت سے ناواقف ہوتا اور خود نہ بول سکتا اور اُسے علم ہی نہ ہوتا کہ بولنا کیا چیز ہے تو وہ انسان کو قُوتِ گویائی اور آلہائے نطق کس طرح دے سکتا؟

یہ بھی واضح ہو کہ یہ مسلّمہ مسئلہ ہے کہ کمالِ علم عمل کو چاہتا ہے۔ یعنے جس کو جس چیز کا کامل علم ہوگا عملی طور پر بھی وہ چیز اُس سے صادر ہوگی۔ مثلاً کسی کو گھنٹہ کا کامل علم ہے تو اُس کا گھنٹہ کی نسبت کامل علم ہونا تبھی ثابت ہوگا جبکہ وہ گھنٹہ کو بنا کر خود دیکھ لے۔ ورنہ اگر وہ اُس کو بنا کر خود دیکھ نہ لے اُس کا علم ناقص ہوگا کیونکہ بنے ہوئے گھنٹہ کو دیکھنا بھی گھنٹے کے متعلق علم میں شامل ہے۔ چنانچہ جس نے گھنٹے کو ایجاد کیا اُس نے گھنٹہ کو بنا کر خود دیکھ بھی لیا۔ اگر وہ گھنٹہ نہ بناتا اور گھنٹے کے متعلق اُس کا صرف دعوٰے ہوتا تو اُسکا محض دعواے قابلِ قبول نہ تھا اور نہ خود اُسے اپنے علم پر کامل یقین اور اطمینان ہوتا۔ پس انسان کے صانع کا انسان کو قُوتِ گویائی عطا فرمانا یا یوں کہا جائے کہ اُس صانع کا انسان کو ناطق پیدا کرنا ثابت کرتا ہے کہ اُس صانع کو قُوتِ گویائی کا اور اُس کی حقیقت کا کامل علم ہے۔ اور قُوتِ گویائی کا کامل علم ہونا ثابت کرتا ہے کہ وہ صانع کلام بھی کرتا ہے کیونکہ مطابق مسئلہ مسلّمہ مندرجہ بالا کامل علم عمل کو چاہتا ہے۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

دوسرا ثبوت:- اب سوال ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ کے کلام میں اور انسان کے کلام میں مابہ الامتیاز ہونا چاہیئے جس سے ثابت ہو کہ یہ تو خدا تعالےٰ کا کلام ہے اور یہ انسان کا کلام ہے۔ لہٰذا ذیل میں وہ فرق بتایا جاتا ہے۔

واضح ہو کہ آئندہ کی خبر دینا انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ کیونکہ انسان کا علم محدود اور ناقص ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص ایسا کلام پیش کرے جس میں آئندہ کی ایسی خبر ہو جس کا پورا کرنا انسان کی طاقت سے باہر ہو اور پھر وہ خبر اسی طرح پوری ہو جائے تو یقین کرنا پڑے گا کہ یہ کلام اس شخص کا نہیں بلکہ ایک ایسی ہستی کا ہے جو انسان کے علم سے زیادہ علم رکھتی ہے۔ مثلاً ایک نبی نے یہ قبل از وقت اطلاع دی کہ یہ پہاڑ چھ ماہ کے اندر پھٹ جائے گا۔ پھر اگر وہ پہاڑ چھ ماہ کے اندر پھٹ جائے تو یقین کرنا ہوگا کہ یہ کلام اس نبی کا اپنا نہیں بلکہ ایک ایسی ہستی کا ہے جو علم میں کامل اور قدرت میں کامل اور اس تمام جہان کا خالق ہے اور اسے اس پہاڑ کے اندرونی حالات کی پوری خبر ہے اور اسے معلوم تھا کہ اس پہاڑ کے نیچے ایک ایسا آتشگیر مادہ ہے جو فلاں وقت مشتعل ہو کر اس پہاڑ کو پھاڑ دے گا۔ اور ایسا یقین اس لئے کرنا پڑے گا کہ نبی انسان ہے اور انسان میں اتنا علم نہیں کہ آئندہ کی صحیح صحیح خبر دے سکے اور اس کے صحیح ہونے کا دعوےٰ بھی کر سکے۔ سو انبیاء علیہم السلام نے اپنے اپنے زمانہ میں ایسا ہی کلام پیش کیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ یہ ہمارا اپنا کلام نہیں بلکہ زمین و آسمان اور مافیہا کے خالق کا ہے جو ہمارے ساتھ کلام کرتا ہے۔

اگر کوئی کہے کہ پیشگوئی تو نجومی اور رمّال بھی کرتے ہیں۔ تو واضح ہو کہ اوّل تو وہ اس بات کا دعویٰ نہیں کرتے کہ خدا تعالیٰ ہمارے ساتھ کلام کرتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہماری پیشگوئی صرف حساب اور قیاس اور رفال کی بناء پر ہے ممکن ہے کہ غلط نکلے۔ لیکن انبیاءؑ بڑے زور سے دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے جو ہم پیش کرتے ہیں اور یہ ضرور پورا ہوگا۔ اگر پورا نہ ہو تو ہم ہر ایک قسم کی سزا برداشت کرنیکے لئے تیار ہیں لیکن نجومی سزا برداشت کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتا۔ دُوم یہ کہ نجومیوں کی پیشگوئیاں اکثر غلط نکلتی ہیں سَو میں سے ایک آدھ پوری ہوتی ہے لیکن نبی کی ایک پیشگوئی بھی غلط نہیں نکلتی بلکہ سَو فیصدی پوری ہوتی ہیں۔ چنانچہ قرآن شریف میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے:- وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا۔

تیسرا ثبوت:- خدا تعالیٰ کے متکلم ہونیکا ثبوت جو مندرجہ بالا ثبوت نمبر ۲ میں دیا گیا خدا تعالیٰ کی مرضی پر ہے کہ جب چاہے نبی سے کلام کرے اور اس کلام میں کوئی پیشگوئی بھی رکھدے۔ اس ثبوت میں نبی کا کوئی اختیار نہیں۔ لیکن ایک صورت خدا تعالیٰ کے ہونے اور اُسکے متکلم ہونیکا ثبوت حاصل کرنیکی ایسی بھی ہے جو انسان کے اپنے اختیار میں ہے اور وہ دُعا ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کو قرآن شریف میں بشارت دی ہے اور اجازت دی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ہے کہ جب چاہو دُعا کرو مَیں تمہاری دُعا قبول کرونگا۔ چنانچہ فرمایا ہے:۔ اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ پس جب نبی کسی مخالف کو خدا تعالےٰ کے ہونیکا ثبوت دینے کیلئے یا اپنی کسی خاص ضرورت کیلئے خدا تعالیٰ سے دُعا کرتا ہے تو خدا تعالےٰ جواب دیتا ہے اور اُس جواب میں یا تو کوئی پیشگوئی ہوتی ہے یا خدا تعالیٰ کا دُعا کرنیوالے سے وعدہ ہوتا ہے کہ مَیں تمہاری مراد کو پُورا کرونگا۔ پھر وہ پیشگوئی پوری ہو جاتی ہے یا دُعا کرنیوالے کی مراد پُوری ہو جاتی ہے۔ اور چونکہ اُس پیشگوئی کا پُورا کرنا یا اُس مُراد کو پُورا کرنا انسان کی طاقت سے باہر ہوتا ہے تو صاف ثابت ہو جاتا ہے کہ دُعا کے بعد جو جواب ملا وہ خدا تعالیٰ کا کلام تھا۔ پس خدا تعالیٰ کے ہونے پر یا اُسکے متکلم ہونے پر یقین کرنے کیلئے دُعا سب سے اعلیٰ ذریعہ اور ہر ایک قسم کے شک وشبہ کے دُور کرنیوالا طریقہ ہے۔ کیونکہ یہ بات انسان کے اپنے اختیار میں ہے کہ جب چاہے دُعا کے ذریعہ خدا تعالیٰ کے ہونیکا ثبوت حاصل کر سکے۔ دُعا کے بعد جو جواب اُسے ملتا ہے اُسکے متعلق اُسے یقین ہو جاتا ہے کہ یہ جواب میری دُعا کے نتیجہ میں ہے کیونکہ یہ جواب اُس دُعا سے تعلق رکھتا ہے غیر متعلق نہیں ہوتا اور پھر جیسا کہ جواب کا مضمون ہوتا ہے ویسا ہی ہو جاتا ہے لیکن بغیر دُعا کے جو کلام الہٰی نازل ہوتا ہے اُسمیں انسان کا اپنا اختیار نہیں ہوتا۔ غرض دُعا کے نتیجہ میں جو پیشگوئی پُوری ہو اُس میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہو سکتا۔ اور اس طریقہ سے انسان کو کامل یقین ہو جاتا ہے کہ کوئی ہستی ضرور ہے جو سُنتی ہے اور جب سُننا ثابت ہُوا تو ہونا بھی ثابت ہُوا۔ یہ بھی واضح ہو کہ جو کلام غیب سے نبی کے سوا کسی نئے آدمی پر اُترے اور اُسمیں پیشگوئی نہ ہو اُسکا کوئی اعتبار نہیں یقینی طور پر کلام الہٰی وہی ہو سکتا ہے جسمیں پیشگوئی ہو اور اُس پیشگوئی کا پُورا ہونا انسانی طاقت سے باہر ہو پھر وہ پیشگوئی پُوری بھی ہو جائے۔

چوتھا ثبوت:۔ چوتھا ثبوت اِس بات کا کہ دُنیا میں ایسا کلام موجود ہے جو اُسی ہستی کا ہو سکتا ہے جو زمین و آسمان اور مافیہما اور انسان کا خالق ہے قرآن شریف ہے۔ اگر کوئی قرآن شریف کو خوب غور سے اور سوچ سمجھکر پڑھے تو اُسے اِس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ یہ کلام انسان کا نہیں بلکہ انسان کے سوا کسی اَور ہستی کا ہے اور وہ ہستی ایسی ہے جو کامل علم والی اور کامل قُدرت والی اور تمام نقصوں سے پاک اور تمام خوبیوں سے موصوف اور ازلی اور ابدی ہے۔ یہ بات صرف مَیں ہی نہیں کہتا بلکہ جب سے قرآن شریف نازل ہُوا ہے تب سے ابتک بیشمار علماء اور فضلاء نے کہی ہے۔ اِسکے علاوہ اسکی پیشگوئیاں ابتک پُوری ہو رہی ہیں۔ قرآن شریف کے علاوہ ہر زمانہ میں انبیاءؑ نے پیشگوئیاں کی ہیں وہ بھی ابتک پُوری ہو رہی ہیں۔ دیکھو توریت اور انجیل۔ پھر اس زمانہ میں تازہ ثبوت کیلئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰة والسلام کی پیشگوئیوں کے پُورا ہونیکے چشمدید گواہ موجود ہیں۔

بالآخر واضح ہو کہ اگر خدا نہ ہوتا تو یہ تمام صفات جنکے ہونیکا پیچھے ثبوت دیا گیا اور جو یقیناً دُنیا میں پائی جاتی ہیں اور جنکے ہونیکا کسی کو بھی انکار نہیں یہ بھی دُنیا میں نہ ہوتیں۔ کیونکہ صفت کا بغیر موصوف کے ہونا محال ہے۔ پھر جب صفات نہ ہوتیں تو یہ جہان بھی نہ ہوتا۔ کیونکہ اس جہان کا ہونا اِن صفات ہی کے نتیجہ میں ہے۔ مثلاً اگر صفتِ خلق نہ ہو تو مادہ سے بنی ہوئی کوئی چیز بھی نہ ہو۔ اور مثلاً اگر صفتِ بدع نہ ہو تو سرے سے مادّہ کا وجود ہی نہ ہو لیکن چونکہ یہ جہان موجود ہے اور کسی کو بھی اِسکے ہونیکا انکار نہیں کیونکہ مادہ سے بنی ہوئی مثیاً

Digitized by Khilafat Library Rabwah

چیزیں ہمیں نظر آرہی ہیں جنکے مجموعہ کا نام ہی جہان ہے اور نیز تمام صفات بھی اس جہان میں پائی جاتی ہیں جنکا پیچھے ذکر آیا۔ لہٰذا یقیناً ثابت ہوا کہ خدا تعالیٰ ہے کیونکہ بحکم علوم متعارفہ مسلمہ صفت کا بغیر موصوف کے ہونا ناممکن ہے۔ اس بیان سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کی ہستی کو ثابت کرنے کیلئے اور کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ صرف صفات کے ثبوت کے ذریعہ سے ہی خدا تعالیٰ کی ہستی کو ثابت کرنا کافی ہے کیونکہ کسی چیز کی ہستی کو ثابت کرنیکے یہ معنے ہیں کہ اُس چیز کی ذات کو ثابت کیا جائے۔ اور ذات ثابت نہیں ہوسکتی جبتک صفات کو ثابت نہ کیا جائے۔ پس اس مضمون دیدار الٰہی میں جبکہ صفات کو ثابت کردیا گیا تو ذات کا ہونا خود بخود ثابت ہوگیا۔ اور درحقیقت صفات کے ثبوت کے بعد کوئی نئی دلیل ہو بھی نہیں سکتی۔

خاتمہ مضمون دیدار الٰہی ع۱

واضح ہو کہ سب سے پہلے خدا تعالیٰ کی جو صفت دُنیا میں ظاہر ہوئی وہ صفتِ خلق یعنے صفتِ صنعت ہے۔ باقی تمام صفات اسی صفتِ صنعت کی شاخیں ہیں خواہ وہ کلام ہی ہو کیونکہ جیسا کہ پیچھے ثابت کیا گیا کلام دراصل فعل ہے اور فعل صنعت کا ہی دوسرا نام ہے۔ چنانچہ یہانتک جس جس صفت کا ذکر ہوا اُس کا ثبوت خدا تعالیٰ کی مصنوعات کی تشریح سے ہی دیا گیا ہے لیکن چونکہ اُس غیر محدود ہستی کی کاریگریوں کا شمار کرنا محدود انسان کی طاقت سے باہر ہے اور اُسکی ہستی کے ثبوت کیلئے اسی قدر صفات کا بیان کافی ہے۔ اور چونکہ صفت خوبی کو کہتے ہیں اور خوبی حُسن کا ہی دوسرا نام ہے لہٰذا میں اُس ہستی کی صفات کے بیان کو اس شعر پر ختم کرتا ہوں ؎

دامانِ نگہ تنگ و گُلِ حُسنِ تو بسیار
گلچینِ بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

دیدار الٰہی ع۲

مضمون دیدار الٰہی ع۱ ختم ہوا۔ اس کے بعد مضمون دیدار الٰہی ع۲ انشاءاللہ عنقریب شایع ہوگا۔ اُس میں میں نے ہستی باری تعالےٰ کے متعلق بعض اعتراضات اور سوالات کا جواب دیا ہے۔ اسکے علاوہ بعض حقائق و معارف کے ذریعہ صفاتِ الٰہی کی مزید وضاحت کی ہے اور فیج اعوج کے صوفیا اور علماء کے بعض غلط خیالات کا رد کیا ہے نیز محبت کی حقیقت اور اُس کا فلسفہ بھی خوب کھول کر بیان کر دیا ہے۔ کیونکہ اس کے متعلق ایک بہت بڑی غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اپنی

تمام طبّی ضروریات

کے لئے

دواخانہ نورالدینؓ میں

تشریف لائیں

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۱۷۹

Digitized by Khilafat Library Rabwah

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ستّر کتابیں

(صرف)

پچیّس (۲۵) روپے میں!

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ستّر کتابیں جو رسالہ ریویو کے سائز پر قریباً چھ ہزار صفحوں کی ہیں صرف پچیس (۲۵) روپے میں فروخت ہو رہی ہیں۔ پہلے یہ کتابیں تیس (۳۰) روپے میں فروخت ہوتی تھیں مگر اب پہلے سٹاک میں سے بعض ختم ہوگئی ہیں اسلئے قیمت پچیس (۲۵) روپے کردی گئی ہے۔ بعض کتابوں کے نام یہ ہیں:-

براہین احمدیہ مکمل	تریاق القلوب
کتاب البریہ	ایام الصلح
آئینہ کمالاتِ اسلام	اربعین ہر چہار حصہ
شہادة القرآن	نسیمِ دعوت
نور القرآن	شحنۂ حق
ملفوظات	تذکرة الشہادتین
مسیح ہندوستان میں	لُجّة النُّور

یہ سب کتابیں نئی ہیں۔ آرڈر کے ہمراہ دو روپے ارسال فرمائیں!

مِلنے کا پتہ

مینیجر رسالہ ریویو آف ریلیجنز اردو۔ قادیان

(بھائی عبدالرحمٰن قادیانی پرنٹر و پبلشر نے ضیاء الاسلام پریس قادیان میں چھاپ کر قادیان سے مالکان کے لئے شائع کیا)